علم الحروف

—: یا :—

تحقیقات ماہر

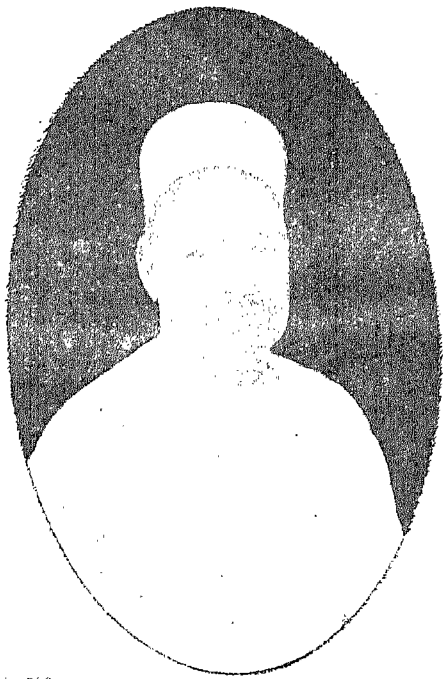
حکیم محمود علی خان۔ماہر
دہلی۔

(۱۹۳۴)



علم الحروف
یا
تحقیقات ماہر
A B C D E F G H I J K L M N O P Q R S T U V W X Y Z
حکیم محمود علی خان ماہر اکبرآبادی ثم دہلوی





عالیجناب فخر الاطبا حکیم محمود علی خاں ماہر

اکبرآبادی ثم دہلوی

سلسلہ تصانیف ماہر نمبر ۲

علم الحروف

: یا :

تحقیقاتِ ماہر

حصہ اوّل

از خامہ

حکیم محمود علی خاں صاحب ماہر اکبر آبادی ثم دہلوی

مصنف :- ۱۔ بیاض ماہر ۲۔ جوہر ماہر ۳۔ اکسیر ماہر ۴۔ صدائے ماہر ۵۔ طبی چٹکلے یا مجربات ماہر ۶۔ علاج الانسان با جزا الحیوان ۷۔ محافظ شباب ۸۔ تحفہ شباب ۹۔ بقائے شباب ۱۰۔ رسالہ چار اور کافی ۱۱۔ رسالہ سل و دق ۱۲۔ رسالہ آتشک و سوزاک ۱۳۔ رسالہ بواسیر ۱۴۔ مسرخ رسالہ یا چیچک سے نجات ۱۵۔ دستور علاج اطبار دہلی ۱۶۔ ابوحنیفہ ۱۷۔ معاشرت افغانستان

خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گل کوزہ

معلوم نہیں کہ اس نئی اپچ کی نسبت دنیا مجھکو کیا کہے گی ؟

تاہم میری محنت، جانفشانی اور جستجو مجھے مجبور کرتی ہے

کہ میں اس کتاب کو اپنے نام ہی پر مسنون کر کے اپنی روح

کو خوش کروں۔

روحانیت کا فدائی

حکیم محمود علی خاں ماہر

اکبرآبادی ثم دہلوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

علم الحروف یا تحقیقات ماہر

حصہ اوّل

اے کردہ زکلک صنع ترکیب بشر — زانشائے تو نقش بستہ اجسام وصور

ہر حرف کہ از خامۂ حکمت زدہ سر — طغرائے قضا گشتہ وعنوان قدر

اے قلم! اگر تجھ میں است بیانی کا جوہر ہے تو حمد پروردگار میں سربسجود ہوجا۔ اور نعت احمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں محو ہوکر لکھ اور وہ لکھ جو تو لکھ سکتا ہے لیکن تیری فطرت میں ابتداء سے لفاظی ہے تو اگرچہ سریع السیر ہے اور تیری رفتار کے سامنے اسپ تازی بھی لنگ ہے۔ مگر یہ وہ میدان ہے جس میں تو بازی نہ لیجا سکے گا۔ اسلئے تیرے حق میں یہی بہتر ہے کہ بحیثیت کاتب وحی صفحہ قرطاس پر سر کے بل چل اور زبان سے کہتا جا!

اقرا باسم ربک الذی خلق ۞ خلق الانسان من علق[1] ۞ اقرا وربک الاکرم ۞

---

[1] علق کے معنی لغت میں اس خون کے ہیں جو منجمد ہوکر گوشت کے لوتھڑے کی صورت بنجاتا ہے اور ایک دریائی کیڑے کا بھی نام ہے جسکو ہندی میں جونک کہتے ہیں تحقیق جدید یہ ہے کہ جب نطفہ کا انعقاد ہوتا ہے تو اول وہ جونک کی صورت ہوتا ہے پھر اسمیں نباتات کی طرح سکلے پھوٹتے ہیں۔ اور آہستہ آہستہ وہ جونک انسانی قالب اختیار کرلیتی ہے۔ فاللہ ... قال ... نطفہ ... صورتیں ... کہ کر ... آپ صورت گری

اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ؕ **ترجمہ** (اے پیغمبر قرآن شریف جو تم پر وقتاً فوقتاً نازل ہوگا اس کو) اپنے پروردگار کا نام لیکر پڑھ چلو جس نے مخلوقات کو پیدا کیا (جس نے آدمی کو گوشت کے لوتھڑے سے بنایا پڑھ چلو اور (خدا پر بھروسہ رکھو کہ تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے۔ جس نے آدمی کو قلم کے ذریعہ علم سکھایا۔

اب ٹھہر جا! اور خدا کا شکر ادا کر جس نے تجھکو انسان کا رفیق بنایا۔ اور باوجود شکستہ زبانی کے طلاقت کا مادہ عطا فرمایا۔

صفحات تاریخ بتاتے ہیں کہ تو حضرت آدم صفی اللہ کا کاتب السر (پرائیویٹ سکریٹری) بھی رہ چکا ہے۔ **الواح** حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی تیری صنعت کی یادگار ہیں۔ اور تو نے صحائف آسمانی بھی لکھے ہیں۔ اور کبھی تو نے لوح محفوظ پر یہ جملہ بھی لکھا تھا۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا ترجمہ اور آدم علیہ السلام کو سب چیزوں کے نام بتا دیئے یعنی جملہ علوم سکھا دیئے۔

تیرے یہ جملہ فضائل ہمکو تسلیم ہیں۔ اب تھوڑی دیر کیلئے یار شاطر ہو کر گل فشانی کر! کہ انسان کو تحریر و تقریر کا مادہ کیونکر مرحمت ہوا۔ دنیا کی زبانیں کیونکر بنیں۔ اور تو عالم وجود میں کس لئے آیا۔؟

تخلیق السنہ یا زبانوں کی بناوٹ

انسان میں جو سب سے بڑی صفت ہے وہ جوہر **نطق** (گویائی) ہے۔ اور یہی صفت اس کو حیوان سے ممتاز کرتی ہے۔ لیکن خود انسان کیا ہے؟ بقول حکما، وہ بھی حیوان کی ایک نوع ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ حیوان جو بولیاں بولتے ہیں ان میں اور انسان کی بولیوں میں ایک فطری مناسبت موجود ہے اور دونوں ایک ہی قانون قدرت کے تابع ہیں۔ ذرا غور فرمایئے! کبری کے

بچہ کو پیدا ہوتے ہی ممیانا، کوے کے بچے کو کائیں کائیں کرنا، بندر کے بچہ کو گکیانا کس نے سکھایا ہے۔ اور یہ کس دیس کی بولیاں ہیں؟

آپ کہیں گے کہ یہ سب بے جوڑ آوازیں (الفاظ) ہیں جنکی کوئی غرض و غایت نہیں ہے۔ لیکن جب چڑیا، مرغی اور کبوتر کے بچے چیں چیں کرتے ہوئے بھوک کیحالت میں پر پھیلا کر اور چونچ کھولکر، ماں باپ کے سامنے آتے ہیں، تو یہ بے زبان فوراً سمجھ جاتے ہیں کہ بچے بھوک سے بیتاب ہو کر چلا رہے ہیں۔ اور وہ ان کو اسی وقت دانہ بھراتے ہیں۔

بندر پر جب کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ زور سے چیخنا یا کلکاری مارتا ہے اور اس کی ایک آواز پر ساری برادری جمع ہو جاتی ہے۔ بلاشبہ حیوانات کی یہ تمام آوازیں یا بولیاں بظاہر المہل، یا بے جوڑ ہیں۔ لیکن صدیوں کے بعد بھی یہ آوازیں ہیں جو اشارات کا کام دینے لگی ہیں۔ اور بامعنی الفاظ بن گئی ہیں۔ اور ہر آواز ایک خاص مقصد پر دلالت کرتی ہے۔

حضرات گرامی! یہی حال انسان کے بچوں کا ہے کہ پیدا ہوتے ہی بچہ خاص آواز (ںے) یا ہیاؤں ہیاؤں سے روتا ہے۔ اور ہر تکلیف و راحت پر اس کی آواز بدلتی جاتی ہے۔ اور یہ اس کی فطری آوازیں ہیں۔ چنانچہ جس آواز کو ہم رونے سے تعبیر کرتے ہیں یہ اس کی سب سے پہلی قدرتی آواز ہے جس کا نام نطق یا گویائی ہے۔ اور یہ آواز حلق سے نکلتی ہے۔ جب بچہ ذرا بڑا ہوتا ہے تو اشارات کا اظہار کرتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ انسان کو آفرینش کے ساتھ ہی گویائی عطا ہوتی ہے۔ اور وہ گونگا پیدا نہیں ہوتا ہے۔ اور جسقدر عمر بڑھتی جاتی ہے۔ خارجی اصوات (الفاظ) اس کے کانوں میں جاتی ہیں۔ جن کو وہ استعمال کرتا ہے اور اسی کا نام زبان ہے۔ اور اس قدرتی آواز سے حیوانات بھی لے

نیاز نہیں ہیں۔ گھر بلو طوطا، رٹے ہوئے الفاظ کس ذوق شوق سے پاک ذات حق اللہ اور رام رام کہتا ہے۔ لیکن جب بلی اس کا گلا دباتی ہے تو وہ اپنا یہ سبق بھول جاتا ہے۔ اور ٹیں ٹیں کرنے لگتا ہے۔

کسی انسان کو اچانک ڈراؤ تو اس کے منہ سے صرف ہُو نکلتا ہے۔ یہ آواز ٹھیٹ حیوانیت پر دلالت کرتی ہے۔

ان نظائر سے ظاہر ہے کہ انسان کی زبان بھی ابتدا میں حیوانات کی طرح مجموعۂ اصوات تھی۔ اور پھر ایک زمانہ دراز کے بعد یہی مہمل آوازیں با معنیٰ الفاظ بن گئے۔

محققین السنہ[1] نے کامل تحقیقات کے بعد فیصلہ کیا ہے کہ دنیا کی ہر زبان میں اوّل درجہ ایک تہائی الفاظ ایسے ہیں جو محض **اصوات** (آواز) سے مرکب ہیں۔ یہ دعویٰ ذیل کی مثالوں سے بخوبی سمجھ میں آجائیگا۔

اردو (ہندی[2]) میں بھونکنا، بلبلانا، ہنہنانا روزمرہ کے الفاظ ہیں۔ ان کی ساخت پر غور کیجئے تو صاف معلوم ہوگا کہ یہ مصادر خالص ان آوازوں سے مرکب ہیں جو کتے اونٹ اور گھوڑے کی فطری آوازیں ہیں۔

بھاشا اور **پراکرت** سے ایسے لاکھوں الفاظ بنائے گئے ہیں۔ چنانچہ جب ہوا چلتی ہے تو سائیں سائیں کی آواز آتی ہے۔ اس آواز سے سرسراہٹ کا لفظ بنا، اسی قبیل کے الفاظ گھڑگھڑاہٹ (چکی کی چال)، کھڑکھڑاہٹ (خشک

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب المقدمہ جسٹس کرامت حسین مرحوم و مغفور۔

[2] آج سے ایک صدی پیشتر ہندوستان میں نظم و نثر کی جو کتابیں لکھی جاتی تھیں ان کا نام ہندی تھا جس کے بکثرت شواہد موجود ہیں۔

پتوں کی آواز) گرج (بادل کی آواز) اور کڑک (بجلی کی آواز) ہیں ۔ یہ آوازیں غیر ذی روح سے متعلق ہیں ۔ اور اسی قسم کا ذخیرہ جاندار حیوانات کی آوازوں سے بھی بنتا ہے ۔ مثلاً غاق (فائیں فائیں) کوے کی آواز ، تف (تھوکنے کی آواز) آہ (درد کی آواز) یہ عربی آوازیں ہیں ۔ فارس کی زبان بھی ایسے[1] الفاظ سے مالامال ہے ۔ خراسان کے کوے جب بولتے ہیں تو ان کے گلے سے صاف کلنغ کلنغ کی آواز آتی ہے ۔ یہی آواز کلاغ (یعنی کوا) بن گئی ۔ **کوہ البرز** کے مرغزاروں میں بلبل گلاب کی ڈالیوں پر چہچہ کرتا ہے ۔ اور چیخنے چیخنے دم توڑ دیتا ہے یہی آواز فارسی میں چہچہ اور ہندوستان میں چہچہانا ہے ۔ یہ مفرد آوازوں کی مثالیں تھیں ۔

الغرض جب مفرد الفاظ کثیر تعداد میں وضع ہو گئے تو مرکبات کی باری آئی ۔ اور یہ مرکبات بھی اصوات کی مرہونِ منت ہیں ۔ ذیل کے الفاظ کی ساخت پر غور فرمائیے ۔

۱۔ پپیہا ۔ یہ ہندوستان کا ایک خوش آواز پرند ہے ۔ جس کی چیخ بلا کی درد انگیز ہوتی ہے ۔ اس کی مسلسل آواز (پی کہاں) سے یہ لفظ بنا جس کی بدولت ہندی شاعری مالامال ہے ۔

۲۔ جھینگر ، یہ ننھا سا کیڑا بھی بہت ہی بلند آواز ہے ۔ اور خود اس کی آواز (جھیں جھیں) سے یہ لفظ بنا ہے ۔

۳۔ چھم چھم پانی کی سریلی آواز کا نام ہے ۔

۴۔ بھونرا ، یہ بسنت کے شاعروں کا قاصد ہے اسکے پروں کی آواز سے بھونرا بنا ہے ۔

[1] ملاحظہ ہو سخندانِ فارس شمس العلماء آزاد دہلوی ۔

اسی قبیل کے الفاظ بھنبیری، بھنبھناہٹ، ٹرو (مینڈک) وغیرہ ہیں۔

متعدد[1] الفاظ افعال ظاہری اور ادنیٰ مشابہت سے وضع ہوئے ہیں۔ جس کی سینکڑوں مثالیں ہندی میں موجود ہیں مثلاً

اجگر (اژدہا) آج سنسکرت میں بکری کو کہتے ہیں اور گر کا ترجمہ نگلنا ہے۔ یہ جانور بکریوں کو نگل جاتا تھا۔ اس لئے اجگر نام ہوا۔

کنکھجورا۔ اس لفظ کا مادہ کان اور کھجور ہے۔ یہ موذی جانور سوتے میں اکثر انسان کے کان میں گھس جاتا ہے۔ اور اس کی جسمانی بناوٹ کھجور کی ٹہنیوں سے مشابہ ہے۔ اس لئے اسکا نام کنکھجورا ہوگیا۔ اور بھیڑیا بھی اسی قسم کا لفظ ہے شترمرغ اور گاؤزباں (ایک مشہور دوا کا نام ہے) یہ بھی اسی قسم کے الفاظ ہیں۔ چنانچہ مرکب الفاظ کیلئے اسی قسم کے متعدد قاعدے ہیں جن کا تعلق صرف نحو اور رسم الخط سے ہے۔ اس مختصر تمہید سے واضح ہوگیا کہ دنیا کی زبانوں میں قدرتی اصوات کو کس قدر تعلق ہے۔

اب انسانی حالات پر غور فرمایئے! آواز کا جہاں تک انسان سے تعلق ہے، اس صفت میں **یونان، عرب، عجم** اور **ہندوستان** بلکہ تمام دنیا کے بچے سب ہم آواز ہیں۔ لیکن ہونٹوں کی بناوٹ، جبڑے، حلق اور ناک کی ترکیب سب کی جداگانہ ہے۔ اس لحاظ سے زبان کی ساخت میں ضرور فرق پڑے گا۔ اور یہ وہ فرق ہے جس سے دنیا کی کوئی زبان مستثنیٰ نہیں ہوسکتی ہے۔

اس کے بعد آب و ہوا کا اثر ہے۔ جس سے زبان بھی متاثر ہوتی ہے مثلاً ایرانیوں کے گلے سے ڈ۔ ٹ۔ ڑ اور عربوں کے حنجرے سے چ۔ پ۔ گ نہیں نکلتے،

---

[1] مولوی سید احمد مرحوم دہلوی مصنف فرہنگ آصفیہ نے اس قسم کے متعدد الفاظ لکھے ہیں۔

یہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ بولیوں میں اول فرق آلات تلفظ کے سبب سے ہوا پھر آب و ہوا کا اثر غالب ہوا۔ اور یہ اثر آلات کے مقابلہ میں زیادہ قوی ہے مثلاً جب ہم پہاڑی علاقہ کی سیر کریں تو وہاں کے حیوانات اور انسانوں کی آواز سے جو لہریں پیدا ہونگی ان میں ایک قسم کا زمزم (گنگری) ہوگا۔ کیونکہ ہر آواز پہاڑ کی چوٹیوں اور ٹیلوں سے ٹکرا کر نکلے گی۔ برخلاف اس کے میدانی علاقوں کی زبان میں خاص سلاست اور روانی ہوگی۔ جس کی تصدیق پہاڑیوں کے گیت اور اہیروں (گوالوں) کے برہا (ایک قسم کا گیت) سے ہوتی ہے۔

اور یہی راز الفاظ کی کرختگی اور لوچ کا ہے۔ جس میں حیوان اور انسان مشترک ہیں۔ ایسا ہی فرق ریگستانوں اور ساحلی مقامات کے باشندوں میں پایا جاتا ہے۔

اب یہ امر غور طلب ہے کہ زبان پر الفاظ کیونکر آتے ہیں۔ اور کس طرح بنتے ہیں؟ بادنیٰ تامل معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ سارے کرشمے سانس (نفس) کے ہیں۔ جب یہ سانس (ہوا) حیوانات کے منہ سے نکلتی ہے تو وہ حیوانی بولی ہے۔ اور جب انسان کے لب و دہن سے خارج ہوتی ہے تو اس کا نام لفظ ہے۔ اور یہی آوازیں آگے چلکر بامعنی یا مہمل الفاظ کہلاتے ہیں جس کا تعلق عقلیات سے ہے۔ اور یہ شان صدیوں میں پیدا ہوتی ہے۔ اسی سلسلہ میں یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ یہ سارے طلسمات حلق (گلو) کے ہیں۔ علم الحیوانات کے محقق کہتے ہیں کہ موسیقار (مشہور پرند) کی منقار (چونچ) سے اکیسو ساٹھ سُر نکلتے ہیں۔ لیکن انسان کا گلا جو رباطات، عضلات، عروق اور اعصاب وغیرہ سے مرکب ہے وہ ہزاروں آوازیں نکال سکتا ہے۔ اس تشریح سے ظاہر ہے کہ جس ہوا کا نام سانس ہے وہی خلاق حروف ہے۔

جب خدا نے سانس سے آوازیں پیدا کیں تو ہر سانس میں تین قسم کی لہریں نمایاں

ہوئیں۔ اور ان ہی لہروں سے ایک غیر متناہی سلسلہ لغات کا پیدا ہوا۔
موسیقی کی اصطلاح میں ان لہروں کا نام سُر ہے۔ جس سے ہزاروں راگ پیدا
ہوتے ہیں۔ لیکن زبان میں یہ لہریں **اعراب** کہلاتے ہیں اور وہ تین سُر آ۔ اِ۔ اُ
ہیں۔ محققین عرب کا قول ہے کہ اعراب کے اتار چڑھاؤ سے تین حرف پیدا ہوئے
یعنی آ سے **الف** اِ سے **ی** اور اُ سے **و** ان حرفوں کا مجموعہ **وائے** ہوا۔ عرب
ان کو حرف علت کہتے ہیں۔ اور ہجا کہتے ہیں۔ تمام حروف کا تانا بانا یہی حرکات ثلاثہ
ہیں۔ جس لفظ کی بناوٹ پر غور کیا جائے اس میں یہی تین تار حرکت کرتے ہوئے نظر
آئیں گے۔ اور انہی کی آواز سے حروف میں ثقالت (بھاری پن) اور نرمی پیدا
ہوگی۔ یہ قدرت کا عجیب راز ہے کہ تمام دنیا کے حروف ابجد کا پہلا حرف الف
(آ) ہے۔ اور یہی وہ سرگم ہے جس سے ہزاروں راگنیاں پیدا ہوتی ہیں۔
یہ راگ اور نغمات کیا ہیں؟ یہی اقوام عالم کی زبانیں ہیں۔ اور ہر زبان میں بقدر ضرورت
حروف تہجی ہیں۔ یا یہ کہ مردم شماری کی بنیاد پر حروف میں کمی و بیشی واقع ہوئی ہے۔ چنانچہ
ایشیا کی مشہور اقوام کی حروف تہجی حسب ذیل ہیں۔

۱۔ قدیم ہندوستانی (سنسکرت) پچاس
۲۔ عرب اٹھائیس ۲۸
۳۔ فارس بتیس ۳۲
۴۔ کردستان بتیس ۳۲
۵۔ افغانستان (پشتو) چالیس ۴۰
۶۔ بلوچستان و مکران پینتیس ۳۵

۱؎ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو کتاب انتشار الخط العربی عبد الفتاح عبادہ۔ مطبوعہ مصر ۱۹۱۵ء

۷۔ ترکی (دولت عثمانیہ) تینتیس ۳۳

۸۔ اردو۔ اکیاون ۵۱۔ مگر بعض محققین نے اردو کی حروف تہجی دو سو[1] سے بھی زائد تسلیم کی ہے۔

اور سب سے بڑی تعداد چینی[2] حروف تہجی کی ہے۔ جو تعداد میں اسی ہزار[3] اور کم ازکم دو سو چودہ ہیں۔ یہ حروف مفرد اور مرکب ہیں۔ لیکن علامہ ابن ندیم[4] کا قول ہے کہ چین کے تہجی میں حروف نہیں ہیں بلکہ جنکو حروف کہا جاتا ہے وہ نقوش ہیں جس کو ایک ذہین آدمی بیس سال کی مدت میں سیکھ لیتا ہے۔ اور اس زبان کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ہر کلمہ تین حرف کا ہے۔ دوسری تخصیص یہ ہے کہ چینی رسم الخط میں ایک عجیب و غریب طریقہ مختصر نویسی (شارٹ ہینڈ) کا ہے۔ جس میں ۱۰ صفحات کا مضمون ایک صفحہ میں آجاتا ہے۔ اور اس کا نام **کتابت المجموع** ہے۔ چنانچہ علامہ موصوف تحریر فرماتے ہیں کہ علامہ زکریا رازی طبیب کے ایک شاگرد نے حکیم جالینوس کی کل[5] کتابوں کی نقل اسی اصول پہ ایک مہینہ میں کرلی تھی۔

ماحصل اس تحریر کا یہ ہے کہ اول حرکات اور اصوات سے بقدر ضرورت مفرد کلمات وضع ہوئے۔ لیکن جب انسانی ضروریات خارج از شمار ہوگئیں تو چبر مفردات سے مختصر کلمات بنائے گئے۔ ابتدا میں ان کلمات کے درمیان حسب روابط نہ تھے

---

[1] یہ مباحث مردم شماری کی رپورٹوں میں عام طور سے درج ہیں۔

[2] چینی ابجد اس کتاب کے حصہ چہارم صفحہ ۸۰ پہ ملاحظہ فرمائیے

[3] بعض محققین کا خیال ہے کہ چینی زبان میں کم ازکم چار ہزار الفاظ ہیں تفصیل کیلئے کتاب ہذا کے حصہ چہارم کا صفحہ ۷۶ تا ۸۰ ملاحظہ فرمائیے

[4] کتاب الفہرست صفحہ ۲۰ مطبوعہ لیپزگ (جرمنی) کتابت قلم الچینی۔ علامہ ابن ندیم

پھر تدریجاً مبتدا اور خبر کی شان نمایاں ہوئی جس کی بہترین مثال ایک سہ سالہ بچے کی گفتگو سے ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد جب بچہ عہد طفلی سے نکل کر دوسرے دور میں آتا ہے۔ تو اس کی ظاہری اور باطنی قوتیں (قوت مدرکہ، حافظہ متخیلہ وغیرہ) ابھرتی ہیں۔ اور وہ نئے نئے الفاظ سے مافی الضمیر کو ادا کرتا ہے۔ اور عالم شباب تک زبان کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ اور الفاظ کی بناوٹ کا آغاز کاروباری زندگی سے شروع ہوتا ہے۔ جس قوم کو جن امور سے دلچسپی ہوتی ہے۔ اسی قسم کے الفاظ سانچے میں زیادہ ڈھلتے ہیں۔ مثلاً عرب کہ ابتدا میں اس کی معاش کا ذریعہ قتل و غارت تھا۔ لہٰذا جنگی اصطلاحات اور الفاظ ان کی زبان میں سب سے زیادہ ہیں۔ تجارت کی غرض سے وہ اونٹوں کو پالتے تھے۔ اس ضرورت سے عربی لغات میں اونٹ کیلئے دو ہزار کے قریب الفاظ موجود ہیں۔ شراب دل کھول کر پیتے تھے۔ لہٰذا شراب کے لئے ایک ہزار نام ہیں یہی حال دوسرے الفاظ کا ہے۔ اور اس کلیہ سے دنیا کی کوئی زبان خالی نہیں ہے۔

الغرض زبان کی بناوٹ میں مفردات، اشارات، روابط اور ضمائر دخیل ہیں۔ اور سیکڑوں برس کی مدت میں ایک زبان مکمل ہوتی ہے۔ یہ بحث اس قدر طویل ہے کہ جسمیں مستقل کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔

اب ہم دنیا کی مشہور زبانوں کی مختصر تاریخ لکھتے ہیں جس کا تعلق علم الحروف (ابجد) سے ہے۔

۲۔ آغاز آفرینش اور السنہ اقوام عالم

انسان اس عالم میں کب آیا۔ یا یہ کہ کس سنہ و سال میں پیدا ہوا۔ دنیا کی تاریخ اس کے اظہار سے قاصر ہے۔ اسی طرح یہ مسئلہ بھی ہنوز غیر منفصل ہے کہ انسان کی جو موجودہ شکل و صورت ہے آیا وہ اسی شکل میں ماں کے پیٹ سے پیدا

ہوا۔ یا وہ کسی حیوان کی صورت میں تھا۔

ڈارون[1] صاحب فرماتے ہیں کہ انسان ایک ترقی یافتہ بندر ہے۔ ممکن ہے کہ اہل یورپ ابتدا میں افریقہ کے گریلا (افریقہ کا زبردست انسان نما بندر) سے مشابہ ہوں اور پھر ہزاروں برس کے بعد دم جھاڑ کر گورے چٹے انسان بن گئے ہوں۔ اہل ایشیا کا تو یہ قول ہے کہ ہم سدا سے ایسے ہی ہیں۔ اور شکم مادر سے انسانی صورت میں پیدا ہوئے ہیں۔ تیسری بحث یہ ہے کہ ہم کس آدم (ابوالبشر) کی اولاد ہیں۔ بلاشبہ یہ ایک دقیق بحث ہے۔ اسلامی روایات میں حضرت علی کرم اللہ وجہٗ سے منقول ہے کہ کسی نے آپ سے دریافت کیا تھا کہ حضرت آدم سے پہلے کون تھا؟ آپ نے فرمایا کہ آدم[2]۔ اور مسلسل تین مرتبہ یہی ارشاد فرمایا۔ اس سے ظاہر ہے کہ ہماری دنیا کی بڑی عمر ہے۔ اور اس میں متعدد آدم پیدا ہوئے ہیں۔ جن کی نسل سے یہ دنیا آباد ہوئی ہے۔ اور تاریخ سے ثابت ہے کہ ہم اس آدم یا ابوالبشر کی اولاد ہیں جن کی نسل میں حضرت نوح علیہ السلام تھے۔ اور جن کے زمانہ میں طوفان آیا۔ اور طوفان کے بعد از سرِ نو انسانی بستیاں قائم ہوئیں۔ اور جدید تمدن کا آغاز ہوا چنانچہ موجودہ تہذیب و تمدن کی تاریخ طوفان نوحؑ سے شروع ہوتی ہے۔ اور اسی زمانہ سے

---

[1] ڈارون حسب قصبہ الیلیٹن (انگلینڈ) میں ۱۲۔ دسمبر ۱۸۰۹ء کو پیدا ہوئے اور ۱۸۔ اپریل ۱۸۸۲ء کو فوت ہوئے

[2] ۔ اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ دنیا ایک ہی آدم کی اولاد ہے تو خدا کی ذات حادث ثابت ہوگی۔ اور ہمارا یہ عقیدہ کہ "خدا ازلی اور ابدی" ہے باطل ہو جائے گا۔ اس روایت سے ثابت ہوا کہ دنیا میں متعدد ابوالبشر آئے ہیں۔ لیکن ہم ان کی تاریخ نہیں بتا سکتے۔

دنیا میں علوم وفنون کا رواج ہوا۔

یہ طوفان کب آیا۔ اور دنیا کے کن حصوں میں آیا۔ یہ ایک بڑی بحث ہے لیکن محققین[1] جغرافیہ نے بڑی تحقیقات کے بعد طوفان نوح کے حسب ذیل سنین قائم کئے ہیں

۱۔ بائیبل مقدس (اوشر)	Usher	سنہ ۲۳۴۸	قبل مسیح
۲۔ بائیبل عبرانی		سنہ ۲۲۸۸	" "
۳۔ پلےفینر	Playfair	سنہ ۲۳۵۲	" "
۴۔ کنٹر	Chintor	سنہ ۲۴۸۲	" "
۵۔ سمریٹن	Samariton	سنہ ۲۹۹۸	" "
۶۔ یوسی فیوس (یہودی مورخ)	Yosephus	سنہ ۳۱۴۶	" "
۷۔ ڈاکٹر ہیلس	Dr Hales	سنہ ۳۱۵۵	" "
۸۔ بائیبل نسخہ سبعینہ[2]	Sepugint	سنہ ۳۲۴۶	" "
۹۔ جمیل آفندی (تحفہ دور)		سنہ ۳۳۰۸	" "

نسخ بائیبل میں سبعینہ سب سے معتبر ہے۔ اس کے حساب سے آج تک (سنہ ۱۹۳۳ء) تک طوفان نوح کی عمر (پانچہزار ایک سو اناسی سال) قرار پاتی ہے۔ گویا یہ موجودہ عالم کی عمر ہے لیکن ہندوستان وایران کی مذہبی تاریخوں میں دنیا کی جو عمر بتائی گئی ہے۔ وہ لاکھوں برس کی ہوتی ہے۔ اور محققین علم الآثار (حضریات) بھی یہی کہتے ہیں کہ ہماری دنیا کی عمر ایک لاکھ سال سے کم نہیں ہے۔ کیونکہ پہاڑوں اور سمندروں کی تہ سے جو انسانی وحیوانی ہڈیاں

---

[1] تاریخی اٹلس مرتبہ یورپ جسمیں دنیا کی تاریخ طوفان نوحؑ سے شروع کی گئی ہے۔

[2] اس نسخہ کو ستر علمائے بنی اسرائیل نے ترجمہ کر کے صحت کی تھی۔ اس لئے یہ نسخہ سبعینہ کہلاتا ہے۔

برآمد ہوئی ہیں۔ ان میں سے بعض ڈھائی پانچ دس ہزار سال سے زیادہ کے ہیں۔ اور ماہرین طبقات الارض نے بعض مقامات میں دریاؤں کی سطح پر جو ریت یا چونے کی تہیں جم گئی ہیں ان کا شمار کیا ہے۔ یہ تہیں شمار میں تیس۲ ہزار تک پائی گئی ہیں۔ اور ایک تہ تقریباً سو برس کے اندر جم جاتی ہے۔ اس حساب سے اقل درجہ موجودہ عالم کی عمر تیس ہزار سال ہے لیکن دنیا کی عمر کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا ہے۔ محققین آثار قدیمہ نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ ہماری دنیا کی عمر الاکھ برس ہے لیکن افریقی کی جدید تحقیقات نے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ دنیا دو کروڑ سال سے ہے۔ اور یہ بھی فیصلہ کیا ہے کہ نسل انسانی کا گہوارہ بجائے ایشیا و یورپ کے افریقہ یا امریکہ ہے بہرحال تاریخ اس کی کوئی شہادت پیش نہیں کر سکتی۔ صحیح حساب کا اندازہ صرف طوفان نوحؑ سے ہوتا ہے۔ باقی قیاسات ہیں۔

حضرت نوحؑ کے طوفان سے قبل تہذیب و تمدن کا کیا حال تھا؟

قدیم مورخ برّوسوس کاہن کلدانی (چوتھی صدی عیسوی قبل مسیح) کی تاریخ سے ثابت ہے کہ سنہ ۴۰۰۰ قبل مسیح بابل میں سومری قوم کی حکومت تھی اور سنہ ۲۴۲۰ ق م میں حموّرابی خاندان بابل کا فرمانروا تھا۔ اور یہ مہذب ترین حکومت تھی جس نے قانون سلطنت مرتب کیا۔ تعلیم کیلئے مدارس جاری کئے، جس کے کھنڈرات ہنوز موجود ہیں۔ اور یہی وہ خاندان ہے جس نے قدیم سومری۱ خط کو خط مسماری۲ (پیکانی یا میخی۳) میں تبدیل کیا۔ یہ خط بھی ہیروغلیفی۴ کے مشابہ تھا۔

بہرحال اگر بروسوس کی تاریخ پر اعتبار کیا جائے تو بابل کا تمدن قدیم ہے۔

۱ و ۲ و ۳ و ۴ یہ خطوط اس کتاب کے حصہ چہارم میں ملاحظہ فرمائیے۔

لیکن مصر کی تاریخ سے واضح ہے کہ مصری تمدن کا آغاز سنہ ۴۰۰۵ ق-م میں ہوا۔ ہندوستان کی تاریخ پردہ خفا میں ہے۔ لیکن علم الآثار سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستانی تہذیب وتمدن میں مصر اور بابل پر فوق رکھتا ہے۔ بہرحال تاریخ سے ثابت ہے کہ طوفان سے ایکہزار سال قبل علوم وفنون کی بنیاد پڑی اور طوفان کے بعد ان میں غیر معمولی ترقی ہوئی۔

توراۃ مقدس کے صفحات (باب تکوین آیات ۴-۹) سے ظاہر ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام[1] کی وفات کے بعد ان کے تین بیٹوں سام، حام اور یافث سے دنیا کا جدید نظام قائم ہوا۔ اور ان ہمیر زادوں میں حضرت سام[2] کی اولاد کا بڑا عروج ہوا۔ اور ان سامیوں نے سنہ ۲۹۰۷ یا سنہ ۲۲۴۷ ق-م بمقام بابل ایک مینار تعمیر کیا۔ جو رفعت وشان میں آسمان کا مدمقابل تھا۔ خدا کو ان کا یہ غرور اچھا نہ معلوم ہوا۔ اور اس غرور شکنی کیلئے خدا نے ان کی زبان میں تفرقہ ڈال دیا۔ اور سامی نسل اپنے باپ دادا کی زبان (سریانی) یکایک بھول گئی۔ اور ہر قبیلہ بھانت بھانت کی بولیاں بولنے لگا۔ اور اختلاف زبان کے ساتھ ہی ایسا تفرقہ پڑا کہ یہ سامی خاندان متعدد قبائل میں تقسیم ہوگیا۔ اور سب کی بول چال بدل گئی۔ چنانچہ سریانی[3] زبان جو حضرت آدم ابوالبشر

---

[1] حضرت آدم علیہ السلام کے ولیعہد حضرت شیث علیہ السلام تھے جن پر صحائف نازل ہوئے۔ اور ان ہی کی نسل میں حضرت نوح علیہ السلام ہیں

[2] تمام عرب حضرت سام کی اولاد ہیں اور اسی مناسبت سے عرب سامی کہلاتے ہیں اور انکی زبان سامیہ یا سمٹک ہے

[3] دنیا میں سب سے پہلی زبان کیا تھی؟ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ ایرانی، عربی، ہندی سب ہی مدعی ہیں۔ لیکن سریانی زبان حضرت آدم علیہ السلام کو سب سے پہلے تعلیم کی گئی تھی۔

کی زبان تھی وہ اس دور میں فنا ہوگئی۔ اور اقوام عالم میں متعدد زبانیں رائج ہوگئیں۔
ایسا کیوں ہوا؟ عقل اس کا جواب دینے سے قاصر ہے۔ بظاہر یہ متعدد زبانیں تفریق قبائل
اور نقل وحرکت کی بنار پر پیدا ہوئیں۔ لیکن آب دہوا۔ اور ضروریات تمدن نے بھی ان
زبانوں کی آبیاری کی ہے۔ اور جسقدر طویل زمانہ جس زبان کو ملا۔ وہ مکمل ہوتی گئی۔
اور جو قومیں تہذیب وتمدن سے گر کر بدویت تک پہنچ گئیں ان کی زبانیں غیر مکمل اور
ناقص رہیں۔ (باستثنائے عرب)۔ اسی طرح جب ایک قوم کسی اجنبی زبان کو سیکھتی
ہے۔ اور اس کا تلفظ اگر ثقیل ہے تو اصلی زبان کو خراب کرتی ہے۔ اور اس کی صورت
مسخ ہو جاتی ہے۔ جس طرح انگریزوں (خصوصاً تازہ ولایت) کی اردو ہے۔

اس تاریخی تمہید کے بعد اب اصل مدعا معرض تحریر میں آتا ہے۔

۳۔ السنہ اقوام عالم میں سامی زبان کا درجہ

صفحات مذکورہ بالا میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ طوفان کے بعد مہذب حکومتیں بابل (عراق یا کلدان) میں قائم ہوئیں۔ اور اس ملک میں حضرت سام بن نوح کی اولاد چھا گئی۔ اور اس خطہ میں حضرت آدم علیہ السلام کی زبان سریانی بولی جاتی تھی۔ بعد ازاں سامی قوم کے انتشار سے متعدد زبانیں عالم وجود میں آئیں، جو سامیٹک یا السنہ سامیہ کہلاتی ہیں اور اسی زبان کی شاخیں آج تک مہذب دنیا میں بولی جاتی ہیں۔ چونکہ ہم کو علم الحروف میں عربی۔ فارسی۔ ہندی۔ ترکی اور نیز دیگر مشرقی اور بعض مغربی زبانوں پر بحث کرنا ہے۔ لہٰذا اول السنہ سامیہ کی مختصر تاریخ لکھتا ہوں۔

عموماً دنیا میں دو قسم کی زبانیں رائج ہیں۔ ایک بسیط دوسری مرکب۔ بسیط کی تعریف یہ ہے کہ اس میں دوسرا اجزا شامل نہ ہوں۔ یعنی وہ فی نفسہٖ غیر مرکب ہو۔ اور مرکب، مفرد کا عکس ہے۔ یعنی مختلف اجزار کے مجموعہ کا نام مرکب ہے

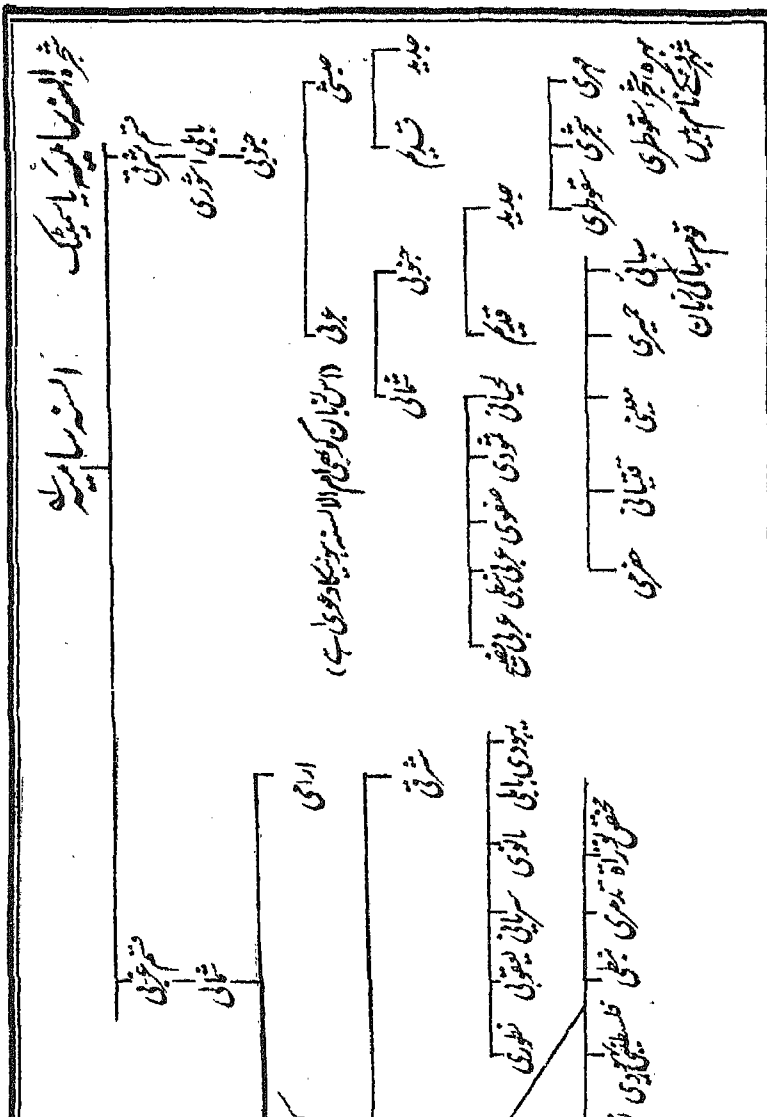
جس طرح اربعہ عناصر ہیں۔ لہٰذا بسیط زبان وہ ہے جسمیں اس زبان کے خالص مادے موجود ہیں اور دوسری زبان کے اجزا سے خالی ہے۔ اور مرکب وہ ہے جس میں غیر زبانوں کے الفاظ شامل ہیں۔ اور وہ الفاظ ہم الگ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ بسیط زبانیں عناصر ادب ہیں۔ اور یہ کونسی زبانیں ہیں۔ جہاں تک تاریخی شواہد موجود ہیں وہ صرف تین ہو سکتی ہیں۔ یعنی آرین۔ سامی اور منگولین (مغلی) اقوام عالم میں آرین کو خاص خصوصیت ہے۔ جب یہ قوم مشرق کی طرف سے بڑھی اور ممالک مغرب (یورپ) اور ایشیا میں پھیل گئی تو اس زبان کی متعدد، شاخیں ہوگئیں۔ جس میں مشہور تر سنسکرت اور فارسی ہے۔ اور جب آریہ بحر قزوین (کیسپین سی) سے یورپ میں پہنچے تو یونانی[1] اور لاطینی[2] زبانیں عالم وجود میں آئیں۔ اسی طرح مغلوں (خطا یا تبت کی قومیں) کی نقل و حرکت سے چینی[3]۔ سیامی۔ برہمی[4] اور پہاڑی[5] (ہمالیہ کی اقوام) زبانیں پیدا ہوئیں۔ جس کی ایک مشہور شاخ ترکی زبان ہے۔ ان کے علاوہ جو زبانیں ہیں ان کی نسبت ہنوز یہ فیصلہ نہیں ہوا ہے کہ وہ کن زبانوں سے رشتہ اور ناتا رکھتی ہیں۔ (نہایت جستجو سے بعض زبانوں کے شجرے لکھے گئے ہیں جو اس کتاب کے حصہ چہارم میں ہیں)۔ فی الحقیقت یہی تین زبانیں **ام الالسنہ** ہیں۔ جن کی آمیزش سے موجودہ مرکب زبانیں وجود پذیر ہوئیں، جس طرح غیر قوموں کے میل جول سے نئی قوم پیدا ہوتی ہے۔

علمائے ادب نے سمیٹک کی جو تقسیم کی ہے۔ اس کا شجرہ[6] حسب ذیل ہے۔

---

[1] و [2] و [3] و [4] و [5] کی ابجدیں اس کتاب کے حصہ چہارم میں موجود ہیں۔

[6] کئی شجرے اس کتاب کے حصہ چہارم کے صفحہ ۲۹۔ ۳۰۔ ۳۱۔ ۳۲ پر ملاحظہ فرمایئے



ؔ از کتاب انتشار الخط العربی مصنفہ سعید فتاح عبادہ مطبوعہ مصر ۱۹۱۵ء

مختصر تشریح اس شجرہ کی یہ ہے کہ ممالک شرقیہ کی السنہ میں بنی سام کی زبان کو بابل اور اسیریا[1] (اشوریہ) میں عروج کامل ہوا۔ اول ان کی زبان سریانی ہوگی اور زمانہ بعد میں عربی ہوئی۔ اور تحقیقات سے ثابت ہے کہ عربی زبان، بابل اور اسیریا کی قدیم ترین زبان سے بہت قریب ہے۔ اور پھر اسی زمانہ میں عبرانی[2] (ہبرو) زبان پیدا ہوئی جو عابر بن سلح بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام سے منسوب ہے حضرت عابر تمام بنی عبیر یعنی بنو قحطان، بنو ابراہیم، بنو اسماعیل اور بنو اسرائیل کے باپ یا مورث اعلیٰ تھے۔ لیکن عربی، عبرانی کی شاخ نہیں ہے، بلکہ وہ خود ایک مستقل زبان ہے جس کے دلائل جداگانہ ہیں۔ زبان عرب کی شاخوں میں جنوبی شاخ بہت زبردست ہے اور اس کا مرکز یمن تھا۔ جس میں حمیری[3] زبان بولی جاتی تھی اور اس زبان کے نمونے قدیم عمارات یمن اور حضر موت میں موجود ہیں۔ اور شمالی شاخ کی جو قسمیں بتائی جاتی ہیں وہ درحقیقت ایک ہی ہیں۔ اور اپنے قبائل کے نام سے منسوب ہیں مثلاً جیسے دہلی، لکھنو اور پٹنہ کی اردو۔ البتہ شمالی عرب کی خالص اور فصیح زبان بقول حضرت عباس رضی اللہ عنہ قبیلہ قریش کی زبان ہے، جس کے محاورات کے مطابق قرآن کریم نازل ہوا ہے۔ اور یہی زبان عموماً خلافت راشدہ اور زمانہ مابعد میں جاری رہی۔ اور ہنوز عرب، عراق، شام مصر، الجزائر، مراکو، طرابلس اور زنجبار کی زبان ہے۔ اور عرب کے مفتوحہ ممالک کی زبان میں کثرت سے عربی زبان کے الفاظ

---

[1] اسیری ابجد اس کتاب کے حصہ چہارم کے صفحہ ۳۴ پر ملاحظہ فرمائیے۔

[2] عبرانی ابجد اس کتاب کے حصہ چہارم کے صفحات ۳۳، ۳۶، ۴۰ پر ملاحظہ فرمائیے۔

[3] حمیری ابجد اس کتاب کے حصہ چہارم کے صفحہ ۴۱ پر ملاحظہ فرمائیے۔

دخیل[1] ہیں۔

بناوٹ (وضع الفاظ) کے لحاظ سے عربی کی یہ خصوصی شان ہے کہ اس میں مادے لاکھوں کی تعداد میں ہیں۔ اور اظہار خیالات میں وہ کسی غیر زبان کی مرہون منت نہیں ہے۔ اور یہ وہ خصوصیت ہے جس کی بدولت یہ بدوی زبان علوم وفنون کے سانچے میں ڈھل گئی۔ اور محض حکومت کا اثر ہے کہ اس میں دوسری زبانوں کے بھی الفاظ شامل ہو گئے ہیں۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ آخری حرف الفاظ کا عموماً متحرک رہتا ہے۔ اور اسی محور پر لفظ گھومتے رہتے ہیں۔

قسم عزبی میں عربی زبان کو آرامی اور نبطی شاخ سے خاص علاقہ ہے لیکن اس کی تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

عربی کے بعد وسعت فصاحت وبلاغت، اور مکمل صرف ونحو کے اعتبار سے سنسکرت کا درجہ ہے۔ اور آرین قومیں اس زبان پر جسقدر فخر کریں وہ ان کو زیبا ہے قدیم فارسی بھی مادوں اور اشتقاق کے لحاظ سے آرین زبان کی ایک شاخ ہے۔ اور چونکہ ہندوستان (ایک زمانہ میں) آریوں کا مرکز حکومت تھا۔ اس لئے سارے ہند پر سنسکرت کی حکومت تھی۔ اور اطراف ہند میں جسقدر زبانیں بولی جاتی تھیں ان سب میں سنسکرت کے مادے شامل ہو گئے۔ (ہندوستان کی بعض زبانیں دراوڑ زبان سے نکلی ہیں۔ شجرہ اس کتاب کے حصہ چہارم میں موجود ہیں۔ ان کو ملاحظہ فرمائیے) اور مغلوں[2] کے دور میں عربی، فارسی، سنسکرت اور دوسری کئی زبانوں کی ملاوٹ سے

---

[1] اس موضوع پر پروفیسر ارنلڈ کی کتاب "السبیل الی معرفۃ المعرب والدخیل" قابل مطالعہ ہے۔

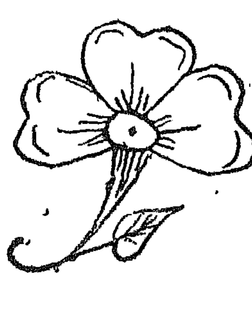
[2] مغلیہ دور میں اردو زیادہ فصیح ہوئی ورنہ اس کا آغاز ہندوستان میں کئی صدی قبل ہو چکا تھا۔

ایک پیاری زبان اردو بنی۔ جس کا نام آج سے کئی سو برس قبل ہندی یا ریختہ تھا۔ چنانچہ اردو زبان کی ترقی کے ساتھ بعض حصص ہندوستان میں، سنسکرت اور پراکرت بھی جاری رہی۔ اور کتابت بھی ہندی حروف میں ہوتی رہی۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ صرف صوبہ دکن میں متعدد رسم الخط جاری ہیں۔

علمی زبانوں میں افسوس ہے کہ سنسکرت، سریانی، یونانی اور لاطینی نیم مردہ ہو چکی ہیں۔ اور زندہ زبانوں میں عربی، فارسی، ترکی، چینی، جاپانی، انگریزی فرنچ، جرمنی، روسی، اٹالین، اسپالوی وغیرہ ہیں۔

اردو کا تعلق چونکہ ہندوستان جنت نشان سے ہے۔ لہٰذا وہ بھی زندہ زبانوں کے دوش بدوش ہے۔ اور علمی حیثیت سے ترقی کر رہی ہے۔ اور ہندی کے ساتھ ساتھ اب سنسکرت میں بھی روح پھونکی جارہی ہے۔ ممکن ہے کہ سیاسی انقلاب سے ایک صدی کے اندر آثار حیات پیدا ہو جائیں۔

دنیا میں زبانیں کیونکر پیدا ہوئیں اور کس طرح پھلی پھولیں۔ مختصر طور پر اس کی تاریخ ہم لکھ چکے۔ اب علم الکتابت کی بحث شروع ہوتی ہے جو ہماری کتاب کا موضوع ہے۔



علم الحروف
یا
علم الکتابت

۱۔ کتابت کا زبان سے حقیقی رشتہ ہے

تحقیق السنہ کے بیان میں یہ لکھا جا چکا ہے کہ کتابت کا گہرا تعلق زبان سے ہے، کیونکہ پہلے زبان سے مختلف آوازیں پیدا ہوئیں، پھر ان آوازوں سے بقدر مشابہت الفاظ بنائے گئے، جس کے مجموعہ کا نام لغت ہے۔

۲۔ ابجد کی ایجاد کے اسباب

اور آوازوں کے ساتھ ہی اظہار خیال کیلئے مخصوص اشارات بھی وضع ہوئے تھے لیکن اشارات کا ذخیرہ قلیل تھا، اور الفاظ کثیر تھے، جن کا تحفظ دماغ میں غیر ممکن تھا اس لئے انسان، کو یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ کوئی ایسا ذریعہ ہو جس سے الفاظ محفوظ رہیں۔ اور ضرورت کے وقت ان سے کام لیا جائے۔ چنانچہ انسانی فراست نے اس مشکل کو چند مخصوص علامتوں سے حل کر دیا۔ اور وہ علامتیں یہی مفرد حروف ہیں جن کو اصطلاحاً ہم ابجد کہتے ہیں۔ اور تمام دنیا میں یہی ابجدیں کتابت کا حقیقی سرمایہ ہیں۔ تاریخ سے یہ بھی ثابت ہے کہ بعض اقوام نے ابجد کے علاوہ نقوش یا تصاویر[1] سے

---

[1] نمونہ کے طور پر اظہار مطالب کیلئے ایک تصویر اس کتاب کے حصہ چہارم کے صفحہ ۲ پر موجود ہے

بھی کام لیا تھا۔ اور یہ نہایت قدیم زمانہ کی اختراع تھی۔ لیکن جب اظہار مطالب میں تصاویر سے بھی کام نہ چلا تو پھر ابجد کی ایجاد[۱] ہوئی۔ لیکن تصاویر کا اثر حروف میں بھی باقی رہا۔ اور ابجد میں یہ مصوری بہت کام آئی جس کا اندازہ قدیم مصری کتاب اور ہندی آثار قدیمہ سے ہوتا ہے۔

چنانچہ شہر تیب جورا (مابین دجلہ وفرات) میں بسلسلہ آثار قدیمہ ایک منقش ٹھیکرا[۲] برآمد ہوا ہے۔ جس میں حضرت آدم ؑ و حوا کی پوری تصویر ہے۔ جو واقعہ خروج جنت پر دلالت کرتی ہے۔ یہ تصویر سنہ ۳۰۰۰ ق م کی سمجھی جاتی ہے۔ اور تیب جورا کی آبادی شہر اور کی آبادی سے مقدم ہے شہر اور کو ولادت حضرت ابراہیم علیہ السلام کا شرف حاصل ہے۔ اس تصویر سے ثابت ہے کہ انسان ایک زمانہ دراز سے اس غور وفکر میں مبتلا تھا کہ تمام دنیا کے واقعات کو معرض تحریر میں لائے۔ چنانچہ انسانی ذہانت سے بالآخر کتابت کا مسئلہ حل ہو گیا۔

۳۔ ابجد کس زمانہ کی ایجاد ہے؟

یہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ طوفان نوح ؑ سے چار ہزار برس سنہ ۸۰۰۰ ق م بابل میں مہذب حکومتیں قائم ہو چکی تھیں۔ اور ملک محروسہ میں کتابت جاری تھی۔ اور اس عہد میں جو خط جاری تھا اس کا نام سومری تھا (یہ خط سومری قوم سے منسوب ہے جو سامی عرب تھے) اب اس تنقید کی ضرورت ہے کہ طوفان کے وقت حضرت نوح علیہ السلام کی کیا عمر تھی۔ اس مسئلہ میں تاریخی شہادتیں حسب ذیل ہیں۔

۱؎ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو رسالہ زمانہ کانپور جوبلی نمبر مطبوعہ فروری سنہ ۱۹۲۸ء مضمون علم الکتابت نوشتہ جناب مولوی محمد عبدالرزاق صاحب مورخ کانپوری مصنف البرامکہ وغیرہ۔

۲؎ رسالہ "الہلال" مصر مطبوعہ سنہ ۱۹۳۳ء میں اس کا فوٹو شائع ہوا تھا۔

۱۔ توراۃ مقدس مطبوعہ لندن سنہ ۱۸۸۷ء نوحؑ کی ساری عمر نو سو پچاس برس کی ہوئی۔ اور طوفان کے بعد تین سو پچاس برس تک زندہ رہے۔ (باب پیدائش نمبر ۹ آیت ۲۹)

۲۔ طبری مطبوعہ لیڈن (ہالینڈ) صفحہ ۱۹۸ جلد اول

طوفان کے وقت نوحؑ کی عمر چھ سو سال کی تھی۔ اس کے بعد تین سو اڑتالیس برس تک زندہ رہے۔

۳۔ یعقوبی جلد اول صفحہ ۱۴ مطبوعہ لیڈن (ہالینڈ)

قرآن پاک کی صراحت کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام کی عمر نو سو پچاس سال تھی۔

ان اسناد کے مطابق حضرت نوحؑ کی عمر زیادہ سے زیادہ نو سو پچاس سال تسلیم کرنا چاہئے۔ اور معتبر روایت کے مطابق طوفان سنہ ۳۲۴۶ ق م میں آیا تھا۔ اب اگر ہندسوں پر چھ سو سال کا اور اضافہ کیا جائے تو مجموعہ تین ہزار آٹھ سو چھیالیس ہوتا ہے۔

اب[1] علامہ ابن ندیم کی یہ روایت ملاحظہ ہو کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے انتقال سے تین سو برس قبل جو صحائف لکھے تھے وہ پختہ اینٹوں پر تھے۔ اور سومری قوم بابل میں سنہ ۴۰۰۰ ق م میں حکمراں تھی۔ اب اگر عہد حضرت آدم علیہ السلام سے آغاز کتابت کا اندازہ کیا جائے تو اس حساب سے ظاہر ہے کہ بابل میں کتابت اس زمانہ سے تقریباً ایک ہزار سال قبل جاری تھی۔ اور اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے صحائف اول کچی اینٹوں پر لکھے۔ اور پھر یہ اینٹیں آگ میں پکائی گئیں۔ تاکہ یہ آسمانی ذخیرہ فنا ہونے سے محفوظ رہے۔

[1] الفہرست ابن ندیم مقالہ اول صفحہ ۴ مطبوعہ لیپزک جرمنی سنہ ۱۸۷۱ء۔ ۱۲۔

تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت آدمؑ کا یہ گلی کتب خانہ طوفان نوحؑ میں غرق ہوگیا تھا۔ اور ابن ندیم کی روایت کی اس طرح تصدیق ہوتی ہے کہ بابل کے کھنڈرات سے عہد[1] اشور بنی پال (۶۶۸ق۔م) وغیرہ کے گلی کتب خانے (پختہ اینٹیں جن پر پوری کتابیں لکھی ہوئی ہیں) برآمد ہو چکے ہیں۔ اور یہ وہ قدیم طریقہ تھا جس کے موجد حضرت آدمؑ تھے۔

۴۔ مصر کی قدیم تہذیب

مصر کی تاریخ شاہد ہے کہ اس ملک میں حکومت[2] کا آغاز ۵۰۰۰ ق۔م سے ہوا تھا۔ اور مصر کے پہلے خاندان کے بادشاہ **میناؤس** کا مقبرہ جو محکمہ آثار قدیمہ نے برآمد کیا ہے ان میں جو نادر اشیاء برآمد ہوئی ہیں ان سے یہ امر تحقیق ہو چکا ہے کہ اس عہد میں ایک ایسا خط جاری تھا جو بے تکلف لکھا جاتا تھا۔

یہ دنیا کا قدیم ترین خط ہوگا۔ کیونکہ اس کے سوا کوئی اور نمونہ خط کا موجود نہیں ہے۔ چنانچہ بابل اور مصر کی تاریخ سے ظاہر ہے کہ کتابت پانچ ہزار سال قبل مسیح سے جاری ہے۔ اس لئے مفردات یا حروف تہجا (ابجد) کی ایجاد کا زمانہ ۵۰۰۰ ق۔م قرار پاتا ہے۔

یہ دور حاضرہ کی تحقیقات ہے۔ اور ممکن ہے کہ علم الآثار سے اس زمانہ میں اور اضافہ ہو جائے اور اگر ایسا ہوا تو یہ فخر **ہندوستان** کو حاصل ہوگا۔ کیونکہ ہندی تمدن بابل و مصر پر فوقیت رکھتا ہے۔ اب ہم ابجد کی تاریخ لکھتے ہیں۔

---

[1] بابل کے آثار قدیمہ کی تحقیقات پر محققین یورپ کی تصانیف ملاحظہ ہوں ۱۲۔

[2] تاریخ مصر الحدیث مصنفہ جرجی زیدان مطبوعہ مصر سلاطین مصر کا پہلا خاندان۔ مصر کی قدیم تاریخ خاندانوں کی جانب سے لکھی جس کا خاتمہ اسلامی قبضہ سے ہوا۔ اور جدید تاریخی سلسلہ عہد السلام سے ہے

۵۔ ترکیب حروف کا نام ابجد یا علم الخط ہے

بلا شبہ دنیا میں ہر علم وفن کا آغاز وحی الہیٰ سے ہوا اور انبیائے مرسلین ان کے موجد یا معلم اول ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام (دنیا کی تاریخ میں ابوالبشر کے مختلف نام ہیں) جنکو مسلمان ابوالبشر کہتے ہیں۔ ان پر اکیس صحیفے نازل ہوئے تھے۔ جو اینٹوں پر مکتوب تھے۔ لیکن یہ صحائف کس خط میں تھے اس کا کوئی نمونہ موجود نہیں ہے۔ اس لئے اس کا فیصلہ کرنا دشوار ہے۔

حضرت آدمؑ کے بعد حضرت **اخنوخ** (ادریس علیہ السلام) نے علم الخط کو ترقی دی۔ اور پھر بلندی ترقی کے ساتھ صنعت کتابت میں بھی اضافہ ہوتا رہا۔

حکماء کا قول ہے کہ کتابت کا تعلق صناعات مدنیہ سے ہے۔ اور **حضارۃ** (یہ لفظ بدویت کے مقابلہ میں استعمال کیا جاتا ہے) کی قوت اور ضعف سے علم الخط کی ترقی ہوتی ہے۔ خط بھی عجائبات قدرت میں سے ہے۔ اور کاتب کیلئے حسن خط اعزاز و ترقی کا باعث ہے۔ عربی مقولہ ہے "الخط ریاض العلوم۔ اور قلم کی تعریف ہے کہ القلم سفیر العقل"۔

خط کا تعلق جہانتک انبیائے کرام کی ذات یعنی وحی سے ہے، اس خط کا نام **توقیفیہ** ہے اور اس پر جو اضافے ہوتے رہے ہیں اس کا نام **اصطلاحیہ** ہے۔

ابوالعباس[۲] بونی اپنی کتاب "لطائف الاشارات فی اسرار الحروف المعلومات" میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابوذر غفاری (مشہور صحابی ہیں) سے روایت ہے کہ دنیا میں جس قدر انبیا علیہم السلام مبعوث ہوئے ہیں ان کو ایک ایک کتاب (منزل من اللہ)

لہ از کتاب صبح الاعشیٰ کاتب اور قلم کی تعریف مصنفہ علامہ ابوالعباس احمد قلقشندی مطبوعہ مصر

سلہ بحوالہ کتاب صبح الاعشیٰ " " " " " "

دی گئی تھی۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت آدمؑ کو اب ت ث ج الخ کا ذریعہ وحی علم دیا گیا۔ یہ انتیس[1] حروف تھے۔ جو ایک صحیفہ کی صورت میں نازل ہوئے۔ دوبارہ یہی حروف حضرت ہود علیہ السلام پر نازل ہوئے۔

سب سے آخر وحی پیغمبر عرب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی۔ اس موقعہ پر آیات ذیل تلاوت کیجئے جس میں حروف مفردات اور مرکبات ہیں۔

قرآن کریم کی ابجد

۱۔ (ق) والقرآن المجید	سورہ ق	پارہ ۲۶
۲۔ (ص) والقرآن ذی الذکر	" ص	" ۲۳
۳۔ (ن) والقلم وما یسطرون	" ن	" ۲۹
۴۔ (طہٰ) ما انزلنا علیک القرآن لتشقیٰ	" طہٰ	" ۱۶
۵۔ (طس) تلک آیٰت القرآن وکتاب مبین	" نمل	" ۱۹
۶۔ (حم) تنزیل من الرحمن الرحیم	" حم السجدہ	" ۲۴
۷۔ (یٰسین) والقرآن الحکیم	" یٰسین	" ۲۲
۸۔ (الم) ذالک الکتاب لاریب فیہ	" بقر	" ۱
۹۔ (الر) تلک آیٰت الکتٰب الحکیم	" یونس	" ۱۱
۱۰۔ (طسم) تلک آیٰت الکتٰب المبین	" شعراء	" ۱۹
۱۱۔ (المص) کتاب انزل الیک فلا یکن فی صدرک حرج منہ	" اعراف	" ۸
۱۲۔ (المر) تلک آیٰت الکتٰب	" رعد	" ۱۱

[1] اٹھائیس کی تعداد صحیح ہے۔

۱۳۔ (حمعسق) کذالک یوحی الیک والی الذین من قبلک سورہ الشوریٰ پارہ ۲۵
۱۴۔ (کہیعص) ذکر رحمت ربک عبدہٗ ذکریا " مریم " ۱۶

آیات مذکورہ کے ابتدائی حروف پر غور کیجئے۔ حضرت آدم علیہ السلام پر جو ۲۸ حروف نازل ہوئے تھے۔ نبی کریم صلعم پر دوسری ترتیب سے صرف چودہ حرف نازل ہوئے (عربوں کی صحیح ابجد اٹھائیس حروف کی ہے) جنکو اصل سمجھنا چاہئے۔ اور وہ حروف یہ ہیں۔

ا۔ ح۔ ر۔ س۔ ص۔ ط۔ ع۔ ق۔ ک۔ ل۔ م۔ ن۔ ہ۔ ی = ۱۴ ہیں۔ باقی رہے وہ حروف جو باہم مشابہ ہیں مثلاً ب ت ث، ج ح خ، د ذ، ز، ض، ظ، غ، ش ۱۴۔ وہ خارج ہیں۔ جن میں مفرد اور مرکب حروف ہیں۔ اور عربی میں سات حروف سے زیادہ کا کوئی لفظ نہیں ہے۔ متقدمین نے تفسیر القرآن میں ان حروف پر بلحاظ ابجد بحث نہیں کی ہے۔ میں نے جس قدر لکھا ہے وہ میرا ذاتی خیال ہے اور یہ ایک دلچسپ بحث ہے جو مزید غور و فکر کی محتاج ہے۔

بہرحال قرآن کریم میں ابجد کی تفصیل نہیں۔ البتہ ابجد کے متعلق یہ ضمنی اشارات ہیں۔

۱۱۔ خط کی تعریف خط کیا شے ہے شیخ شمس الدین بن الاکفانی اپنی کتاب "ارشاد المقاصد" میں لکھتے ہیں کہ "علم خط وہ ہے جس سے حروف مفردہ کی صورت اور ترکیب واضح ہوتی ہے۔ اور دنیا میں یہی وہ علم

سلہ لام الف زمانہ مابعد کی ایجاد ہے۔ اسلئے حضرت آدمؑ کی ابجد بھی ۲۸ حروف کی تھی۔

سلہ انتخاب از صبح الاعشیٰ مصنفہ علامہ ابوالعباس احمد قلقشندی مطبوعہ مصر دربیان علم الخط جلد ۳۔ یہ نایاب کتاب ۱۴ جلدوں میں مصر سے شائع ہوئی ہے۔ اور مخزن علوم و فنون ہے۔ ۱۲

ہے جو بغیر کسی اشارہ لفظی و معنوی کے اپنا مفہوم ادا کرتا ہے۔ کیونکہ الفاظ صرف معانی کو ذہن نشین کرتے ہیں اور خط سے الفاظ ادا ہوتے ہیں۔ الفاظ میں محض شیرینی ہے اور خط میں تصاویر کا حسن نمایاں ہوتا ہے۔ کاتب قلم سے صفحۂ کاغذ پر مصوری کرتا ہے اور تصویر کشی کے مقابلے میں کتابت بھی ایک صنعت (آرٹ) ہے۔

جعفر برمکی (وزیر خلیفہ ہارون رشید عباسی) کا قول ہے۔ الخط خیط الحکمۃ ینظم فیہ منثورھا و یفصل فیہ شذورھا۔ ترجمہ۔ خط حکمت کا دھاگا ہے جس میں حکمت کے بکھرے ہوئے موتی گوندھے جاتے ہیں۔ اور اس کے زرین اقوال ممتاز ہوتے ہیں۔ (البرامکہ)

اب خط اور لفظ کے فرق کو بھی سمجھ لینا چاہئے۔ لفظ تو اپنے معانی مخاطب کو سمجھاتے ہیں۔ اور حاضر و غائب کے لئے مشترک ہے۔ اگر خط نہ ہوتا تو ہزاروں میل کے دور افتادہ اصحاب کی روحانی ملاقات سے دنیا محروم رہ جاتی۔

۷۔ کتابت کے ابتدائی خاکے

اس تمہید کے بعد اب ہم کتابت یا رسم الخط کی تاریخ لکھتے ہیں۔

جب انسان[۱] حیوانیت اور بربریت کے درجہ سے ترقی کر کے انسانیت کے اعلیٰ مرتبہ تک پہنچا۔ اور نسل انسان نے ضرورتاً اپنے مرکز سے ہجرت کر کے دور و دراز مقامات پر نئی آبادیاں (مستعمرات) قائم کیں تو ایک کو دوسرے کے دریافت حال کی ضرورت لاحق ہوئی۔ اور نیز قومی حالات میں جو تغیرات اور انقلابات ہوئے تھے ان کا محفوظ رکھنا بھی لازم تھا۔ اس لئے کتابت کی ضرورت پیش آئی۔ اور انتہائی غور و فکر کے بعد انہوں نے نقاشی سے کام لیا۔ مثلاً ایک بادشاہ کو شیر نے ہلاک کر دیا

---

[۱] انتخاب از رسالہ زمانہ جوبلی نمبر فروری ۱۹۲۸ء

یہ زبردست واقعہ تھا۔ لہٰذا پتھر پر تصویر بنائی کہ ایک شیر انسان سے لڑ رہا ہے۔ چنانچہ اسی قسم کے حالات وجذبات کی ہزاروں تصویریں بنا ڈالیں، جس سے ہر مادی صورت کا اظہار ہوا۔ اور اس سادہ وقائع نگاری کا نام "دورِ صوری مادی[1]" قرار پایا۔ ایک زمانہ دراز کے بعد بجائے تصاویر کے مخصوص اشارات سے کام لیا گیا۔ مثلاً اظہار دشمنی کیلئے سانپ کا کنڈل بنایا، اور آسمان کے لئے نصف قوس ◠ کھینچی، یہ دور "صوری معنوی" تھا۔ لیکن یہ جدت طرازی بھی آئندہ بیکار ثابت ہوئی۔ اور ہر بڑے واقعہ کے لئے متعدد تصویریں بنانا پڑیں (مصر کے قدیم کتبات ملاحظہ ہوں) اس لئے مجبور ہو کر انسان نے حروف ایجاد کئے۔ اور مختلف اجسام واشکال سے حروف کے نمونے بنائے۔ اشیاء کی صورتوں سے صرف اس کا پہلا حرف مراد ہوتا تھا۔ اس طرح سے الف سے یائے تحتانی تک جملہ حروف بن گئے۔ یہ دور "صوری حرفی" تھا۔ اس ایجاد نے تصویر کشی کی زحمت کو مٹا دیا۔ پھر حروف کی ترتیب سے لفظ اور لفظوں سے جملے بننا شروع ہوئے۔ یہ چوتھا "حرفی" دَور تھا۔ جو اقوام عالم میں جاری ہوا۔

تصویری خط میں مصر کا خط تمثال بہت قدیم ہے۔ جن محققین نے مصر کی تہذیب اور تمدن کی تاریخ لکھی ہے ان کا خیال ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت (۱۹۹۶ق م) سے بیس یا پچیس صدی قبل مصر میں خط تمثال جاری تھا۔

۸۔ مصری ابجد اور اس کا رسم الخط ابجد کے موجد[2] قطعی طور پر مصری ہیں چونکہ وہ جانوروں کی پرستش کرتے تھے لہٰذا

---

[1] اس قسم کا نمونہ اس کتاب کے حصہ چہارم کے صفحہ ۲ پر ملاحظہ فرمائیے۔

[2] مصری ابجد کا نقشہ اس کتاب کے حصہ چہارم کے صفحہ ۳۵ پر ملاحظہ فرمائیے۔

اظہار خیال کا ذریعہ تصاویر حیوانات کو قرار دیا۔ اور مکمل ابجد تصاویر میں بنائی۔ اس ابجد کا نام ہیرو غلیفی تھا۔ پھر آسانی کتابت کیلئے اس کے دو حصے کر لئے۔ ایک ہیر الیفی (ہیراٹک) (جس کا تعلق مذہب سے تھا) دوسری قسم ڈموطیقی (ڈاٹک یہ عام کتابت تھی۔ اس تقسیم سے یہ نفع ہوا کہ تصاویر میں کسی قدر تخفیف (کمی) ہو گئی۔

یہ دونوں قسمیں (ہیراٹک ڈاٹک) یعنی ان کے حروف معانی کے لحاظ سے دو قسم کے تھے۔

۱۔ ایڈوگرافک (Ideographic) کاشف الخیال (خیالات کے ظاہر کرنیوالے)۔

۲۔ فونک (Phonic) کاشف الصوت (آلہ اظہار آواز) پھر ان دونوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ یعنی کاشف الخیال میں ایسی تصویریں رکھی گئیں جن سے بعینہ وہی اشیاء معلوم ہوں۔ مثلاً ※ علامت ستارہ۔

دوسرا حصہ ایسی علامات کا تھا جن سے اشیاء کی مشابہت سمجھ میں آجائے مثلاً جیسے سانپ کا کنڈل (اظہار عداوت کے لئے) یا نصف قوس ⌓ آسمان کے لئے۔ ⚹ رات معہ ستاروں کے۔

اس تقسیم سے صرف یہی نفع ہوا کہ کتابت میں زیادہ آسانی ہو گئی۔ اور تصویروں کی جسامت روز بروز کم ہوتی گئی۔ اور خط رواں ہو گیا۔

قسم دوم (فونک) میں یہ تفصیل کی گئی کہ اکہری اور دوہری آوازوں کے الفاظ جداگانہ لکھے گئے۔ مثلاً آ۔ اِ (اکہری) ہائے۔ ہا (دوہری) ان آوازوں سے پندرہ حروف مصریوں نے بنائے۔ مگر ایک دقت یہ ہوئی کہ جملہ آوازیں تعداد میں اکیس تھیں۔ پندرہ اشکال سے اکیس حروف بنائے۔ چنانچہ مصری انہی حروف کے موجد تھے۔ جنمیں تغیر و تبدل ہوتا رہا۔

جب اہل فنیشیا نے مصریوں سے کتابت سیکھی تو ان کو اور آسان کر دیا۔ اس نے فنیشیا والے مصلح حروف ہیں۔ وہ موجد نہیں ہیں۔ یہ حروف ہیر اتک حروف سے مشابہ تھے۔ باوجود سہولت۔ پتھروں پر جب یہ حروف لکھے جاتے تھے تب بھی مشکلات کا سامنا تھا۔ اس نے خفیف ترمیم کی گئی۔ اور اس کے بعد عبرانیوں[1] نے فنیشیا کے حروف زیادہ واضح کر دیئے۔ اور دو کروٹوں (تبدیلی) کے بعد تیسری کروٹ میں مربع عبرانی خط نکل آیا۔ جو بہت زیادہ واضح تھا۔ اور پھر اس عبری خط کو اہل عرب نے زیادہ خوبصورت بنایا جو قدیم حمیری خط تھا۔ اس کے بعد جو ترمیم ہوئی اس کی تفصیل خط کوفی میں لکھی گئی ہے۔

حضرت مسیحؑ سے چند سال قبل یونانیوں نے فنیشیا کے حروف سے اپنا رسم الخط جداگانہ ایجاد کیا۔

علامہ ابن[2] ندیم کی روایت ہے کہ یونانیوں کا کوئی خاص خط نہ تھا انہوں نے مصریوں سے علم الخط حاصل کیا تھا۔ جس میں اول سولہ حروف تھے۔ پھر آٹھ حروف کا اضافہ کر کے چوبیس بنائے۔ جس سے چار قلم نکلے جو یورپ[3] میں جاری ہیں جس کی تصدیق آثار قدیمہ مصر سے ہوتی ہے۔ یہ تصویری خط چونکہ مشکل تھا لہذا علما نے آہستہ آہستہ نقوش

اب آپ اس کتاب کے حصہ چہارم میں مصادر[4] حروف تہجی کا نقشہ ملاحظہ فرمائیے جس میں خط تمثال کی تین قسمیں نظر آئیں گی۔

---

[1] عبرانی قدیم وجدید اور یہودیوں کا عبرانی رسم الخط اس کتاب کے حصہ چہارم کے صفحہ ۱۵ پر ملاحظہ کیجیے
[2] کتاب الفہرست ابن ندیم صفحہ ۱۵ مطبوعہ لیپزک جرمنی سنہ ۱۸۷۱ء
[3] یورپ کی بعض ابجدیں اس کتاب کے حصہ چہارم میں موجود ہیں۔
[4] مصادر حروف تہجی کا فوٹو بلاک اس کتاب کے حصہ چہارم کے صفحہ ۳۵ پر ملاحظہ فرمائیے۔

ا۔ مقدس خطِ ہیروغلیفی[1]

یہ دائیں جانب سے بائیں کو اور کبھی اس کے برعکس لکھا جاتا تھا۔ اس خط کے کاتب مندروں کے پجاری تھے اور صرف مقتدیان مذہب سے مخصوص تھا۔

جملہ مذہبی احکام پتھروں اور لکڑی کے تختوں پر لکھے جاتے تھے۔ تاکہ یہ مقدس صحائف دنیا میں باقی رہیں۔

اس خط کا ہر حرف تصویر تھا۔ اور بڑی مشکل سے لکھا جاتا تھا۔ اہرام مصر (قدیم مینار) اور شہر ممفس کے مندروں میں یہ طرز کتابت تیسری صدی عیسوی تک جاری تھا۔ اس خط کو اصطلاحاً ہم مصری نستعلیق کہہ سکتے ہیں۔

مصری ہیروغلیفی خط کے متعلق ایک اہم تاریخی بحث اور باقی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ بعض محققین یورپ کا خیال ہے کہ رومن حروف بھی مصری خط سے ماخوذ ہیں۔ اور یہ استدلال محض مشابہت حروف سے کیا گیا ہے۔ اور ان کی آوازیں بھی ہیروغلیفی حروف سے ملتی ہوئی ہیں۔ علاوہ بریں فنیشی حروف (جو رومن ابجد کا ماخذ ہیں) کی ابجد میں الف (A) سے قرشت تک ہر حرف کے موافق، ہیروغلیفی سے متحد ہیں۔ بہرحال اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ فنیقیہ قوم نے مصریوں کی شاگردی کی اور ہیروغلیفی خط سے اپنا خط نکالا۔ اور رومیوں نے دونوں خطوں کو سامنے رکھکر اپنی ابجد مرتب کی۔ جس کی تصدیق آئندہ صفحات سے ہوگی۔

۲۔ ہیراطیقی[2]

اس دور میں پوری تصویر کا صرف ایک جز لیا گیا۔ اور اب کاغذ (کاغذ کی تاریخ اس کتاب کے حصہ سوئم

---

[1] مقدس خط ہیروغلیفی کی ابجد اس کتاب کے حصہ چہارم کے صفحہ ۲۵ پہ ملاحظ فرمایئے۔

[2] ہیراطیقی ابجد اس کتاب کے حصہ چہارم کے صفحہ ۲۵ پہ ملاحظہ کیجیے۔

میں ملاحظہ فرمائیے) پر کتابت شروع ہوئی۔ شاہی دفاتر میں یہی خط جاری تھا جو تیزی سے لکھا جاتا تھا۔ اس کو آپ خط شکستہ سمجھیں۔ اس خط کے پچیس حروف تھے اور چونکہ ان کی کتابت میں ایک قسم کی جمبدگی یا کجی تھی لہٰذا لغوی معنی سے اس کا نام "ہیر آنک" ہوا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پانچسو برس قبل کی کتابت اس خط میں موجود ہے۔

۸۔ دیموطیقی[1] خط ہیر آنک اگرچہ بہت رواں تھا اور اس کی کتابت آسانی سے ہوتی تھی۔ لیکن خطاطوں نے اس میں بھی مزید اصلاح کی چنانچہ یہ خط موجودہ حروف ابجی کے قریب قریب ہو گیا۔ اس کو اصطلاحاً "قلم العام" کہنا چاہئے مصر[2] میں جب سولہواں خاندان حکمراں تھا اس زمانہ میں یہ خط بڑے عروج پر تھا۔

۹۔ فنیشیا[3] (فنیقیہ) قوم نے جب مصریوں سے یہ خط سیکھا تو اس کو اور واضح کیا (اس کتاب کے حصہ چہارم کے صفحہ ۳۷ پر نقشہ ملاحظہ فرمائیے) چنانچہ عہد قدیم کے یہ چار خط اصل قرار پائے۔ جن کی شاخیں تمام دنیا میں پھیلیں۔ پھر فنیقیہ خط سے متعدد اصلاحات کے بعد عربی خط نکلا جس کی اصل مسند سبائی تھی۔ اصلی خطوط

---

[1] دیموطیقی ابجد اس کتاب کے حصہ چہارم کے صفحہ ۳۵ پر ملاحظہ فرمائیے۔

[2] مصر کی قدیم تاریخ جو تینتیس خاندانوں پر تقسیم تھی۔ جن کا عہد حکومت ۵۸۶۸ ق۔م سے ۳۳۲ ق م تک رہا تفصیل کیلئے مصر الحدیث جرجی زیدان مطبوعہ مصر ملاحظہ فرمائیے۔

[3] یہ وہ قوم تھی جو کسی زمانہ میں ساحل بحرین اور خلیج فارس پر آباد تھی۔ لیکن جب ایک دوسری قوم نے ان کو سواحل سے بیدخل کیا تو یہ عمان و نواح یمن میں آباد ہوئی اور دوسرے انقلاب میں ارض کنعان (شام) میں پہنچی۔ چنانچہ ساحل بحر الروم پر شہر صور (ٹائر) اور صیدا (سیڈان) انہی کی یادگار ہیں۔ زیادہ تفصیل کیلئے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ملاحظہ فرمائیے۔ ۱۲

سے وہ خط مراد ہیں جنکو ہلسان نے ضرورتاً ایجاد کیا۔

۱۰۔ مصری خطوط کا زوال اور یونانی خط کا رواج

مملکت مصر میں جب یونان کا قبضہ ہوا تو قدیم مصری خط معرض زوال میں آ گئے اور قبطی خط میں یونانی حروف مل کر نئی ہجی جاری ہوئی۔ جس میں ستائیس حروف تھے۔ اور قبطی خط بھی یونانی حروف سے مرکب تھا۔ جو آغاز اسلام تک جاری تھا۔ لیکن خلیفہ ولید بن عبد الملک اموی (۸۶ھ تا ۹۶ھ) کے گورنر عبد اللہ نے قبطی خط کو عربی خط میں منتقل کر دیا۔ جو آجتک تمام مصر میں جاری ہے۔ لیکن یہ واضح رہے کہ موجودہ خط ترمیم شدہ اور مہذب ہے۔ وہ قدیم خط نہیں ہے جو عہد امیہ میں جاری تھا۔

۱۱۔ فنیقی[1] خط میں ترمیم و اضافہ

مصری ہیروغلیفی خط میں حرف الف کی جو تصویر تھی وہ بعد میں بشکل ہمزہ تبدیل ہو گئی تھی۔ پھر یہ ہمزہ فنیشیا جاکر انگریزی حرف A سے مشابہ ہو گیا تھا۔ پھر الف نے تین کروٹوں کے بعد یہ صورت اختیار (ا) کی تھی جس کی عہد امیہ میں اصلاح ہوئی یعنی کجی دور ہوئی، اور سیدھا ہو گیا۔ بجنسہٖ یہی کیفیت دوسرے حروف کی ہے نقشہ میں فنیقی کے بعد، ارامی، سطرنجیلی، نبطی، حمیری یا کوفی چار خط اور ہیں۔ ان خطوط کی تاریخی اہمیت سمجھ لینا چاہیئے۔ جب یہ نقشہ اچھی طرح ذہن نشین ہوگا۔

۱۔۲۔ ارامی اور نبطی[2]

حضرت سام کے بیٹے اور حضرت نوحؑ کے پوتے کا نام ارام ہے۔ جن کی جانب متعدد عرب قبائل منسوب ہیں (قبیلہ عادؑ

---

[1] فنیقی ابجد اس کتاب کے حصہ چہارم کے صفحہ نمبر ۲ پر ملاحظہ فرمائیے۔

[2] آرامی اور نبطی ابجد کا فوٹو بلاک اس کتاب کے حصہ چہارم صفحہ ۱۱ پر ملاحظہ فرمائیے۔

ثمود وغیرہ) اور جس کی تفصیل کتاب معارف ابن قتیبہ اور تاریخ ابن خلدون میں موجود ہے۔ یہ سب قبائل سامی ہیں۔ جن کی زبان عربی سے قریب تر ہے۔ اور عربی میں بکثرت ارامی زبان کے مادے داخل ہیں۔ بہر حال ارامی ایک زبردست قوم تھی جسکی زبان اور خط ذاتی تھا۔

مسٹر ارنالڈ سابق پروفیسر علیگڈھ کالج نے لغت عرب پر ایک کتاب سواء السبیل[1] الی معرفۃ المعرب والدخیل لکھی ہے۔ اس جگہ ہم اس کی بجنسہ عبارت نقل کرتے ہیں۔ جس سے آرامی زبان اور اس کے خط کا حال واضح ہوگا

"بعض الفاظ از قسم اعلی کہ سامیٹک است، و زبان عربی فرع و شاخ آن است داخل شدہ، بعض الفاظ بہ خط مستقیم از عبرانی و اکثر از ارامی آمدہ و مراد از ارامی زبانی ست کہ در جزیرہ و ملکے کہ مابین فرات و فلسطین واقع است بہ تغیر لہجہ مستعمل شود۔ و این زبان کلدانی (بابلی) و سریانی را ہم شامل است۔ علمائے عرب عموماً الفاظ ارامی را نبطی گویند حالانکہ نبطیان[2] صاحب اصل لغت نبطی را قبل از ظہور اسلام

[1] صفحہ ۳ مطبوعہ رفاہ عام پریس لاہور سنہ ۱۹۰۲ء

[2] نبطی باختلاف روایت قیدار یا نبط بن اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ جس کی جمع انباط یا نبطیین آتی ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام سے دو تین صدی قبل نبطیوں کی حکومت بحر کے سواحل بحر احمر عقبہ اور بادیہ شام تک پھیلی ہوئی تھی۔ نبطیوں کا سیاسی تعلق یونان اور روم سے بھی تھا۔ اور مرکز حکومت قدیم شہر بطرا (پٹرا) تھا۔ بعض مورخ نبطیوں کو عراق کا باشندہ سمجھتے ہیں۔ ان کی زبان عربی تھی اور تحریری خط سماری تھا۔ یہ خط انہوں نے سومریوں سے حاصل کیا تھا۔ لیکن ایک زمانہ دراز کے بعد نبطی قوم نے ارامی خط میں لکھنا شروع کیا۔ انتخاب از تاریخ عہد جاہلیت عرب نسخہ قلمی، مصنفہ جناب مولوی عبد الرزاق صاحب مورخ کانپوری۔

گذاشتند و باز بان ارامی ساختہ۔ چونکہ ارامیان بہ علت جوار قریب عرب
بودند و بہ سبب تجارت ہمراہ ایشاں تعلقے داشتہ لہٰذا از زبان ایشاں
بزبان عرب تغیر و تاثیر قوی پیدا شدن ضروری بود۔ بواسطہ ارامی اکثر
الفاظ یونانی لعبری در آمدہ چہ ارامیان در آں مملکت سکونت داشتند
کہ مابین سلطنت عیسائی روم و عرب واقع است۔"

یہ آرامی زبان کی تاریخ ہے بجنسہٖ یہی کیفیت ان کی کتابت کی ہے۔ یہ قوم ساحل بحرین پر عربوں کے ساتھ آباد تھی جس کا سلسلہ عراق اور شام تک پھیلا ہوا تھا۔ اور انکے جملہ کتبات ارامی خط میں تھے۔

سلطنت اشوریہ (بابل) جب ضعیف ہو گئی تو اس کی ابجد جو فنیقیہ سے منسوب تھی متمدن دنیا میں پھیلی اور اس خط سے چند خطوط اور نکلے۔ منجملہ اس کے ایک خط ارامی بہت مشہور ہے۔

چنانچہ یہ خط ان اقوام میں جاری رہا جنہوں نے بابل سے ہجرت کی اور اطراف عالم میں پھیلے۔ پھر ارض کنعاں میں جا کر انہوں نے مصریوں کے خط کا چربہ اتارا۔ اور خود کوئی نئی ایجاد نہیں کی۔ بلکہ مصر کے خط نستعلیق اور شکستہ کو سامنے رکھکر بادنیٰ تغیر اس کو جاری کیا تھا۔ پھر دونوں کو ملا کر ایک نئی شان پیدا کی۔ اول فنیقی اور ارامی خط میں زیادہ فرق نہ تھا۔ لیکن زمانہ مابعد میں بہت فرق ہو گیا۔ اور سب سے بڑا تغیر یہ تھا کہ ارامی خط میں زاویہ دار حروف کے سرے کھل گئے۔ اور اکثر حروف ایک دوسرے سے متصل ہو گئے۔ یہ کل بائیس ۲۲ حروف تھے۔ سامی قوموں کا جب تجارتی اور سیاسی حیثیت سے متمدن اقوام سے میل جول بڑھا تو انہوں نے اپنی مادری زبان کے علاوہ ارامی زبان بھی حاصل کی اور ان کا خط بھی سیکھا۔ تاکہ کاروبار تجارت میں آسانی ہو۔ سامیوں میں دو ارامی خط بہت مشہور ہیں

[1] العرب قبل الاسلام۔ مصنفہ جرجی زیدان صفحہ ۹۱۔ مطبوعہ مصر۔

ایک قلم تدمری (شہر تدمر یا پال مائر کا قلم)
دوسرا نبطی (پیٹرا یا بطراوالوں کا خط)
تدمری اور نبطی خطوط کے نمونے اس کتاب کے حصہ چہارم کے صفحات ۳۷-۴۱، ۴۳ پر ملاحظہ فرمائیے۔
پھر شمالی عرب میں خط ارامی سے خط مسند سبائی نکلا جس کا شمار اصلی خط میں ہے پھر سبائی[1] سے تین خط اور نکلے جو قبائل کے نام سے منسوب ہیں۔
۱۔ صفوی ۲۔ ثمودی ۳۔ لحیانی
اس کا نقشہ کتاب ہذا کے حصہ چہارم کے صفحہ ۴۰ پر ملاحظہ فرمائیے جس میں اصل سبائی اور اس کی شاخوں کی ابجد موجود ہے۔ اس ابجد میں بعض حروف مختلف صورتوں میں ہیں۔
خطوط فرعیہ کی تفصیل یہ ہے۔
الف۔ صفوی۔ علاقہ حوران (شام) کے جبل صفا میں جو سیکڑوں کتبات ہیں وہ صفوی کہلاتے ہیں۔
ب۔ ثمودی۔ ثمود عرب کی قدیم قوم تھی۔ جس کا تذکرہ قرآن پاک میں بھی موجود ہے۔
ج۔ لحیان۔ شمالی عرب میں ایک مشہور قبیلہ بنی لحیان تھا جس کی کثرت سے لحیانی مشہور ہے۔
فنیقی قوم کے کلدانیوں، یونانیوں اور یہودیوں پر بھی احسانات ہیں۔ انہوں نے فنیقیوں سے کتابت اور تجارت کی تعلیم پائی تھی۔

---

[1] کتاب العرب قبل الاسلام صفحہ ۲۱۹ مصنفہ جرجی زیدان مطبوعہ مصر

۳۔ سطر نجیلی[1]

قدیم خط سریانی کی تین قسمیں تھیں

۱۔ قلم المفتوح اس کو اسطرنجالا یا سطرنجیلی بھی کہتے تھے۔ یہ نہایت واضح اور روشن خط تھا۔ اس خط کا نام خط ثقیل بھی ہے۔

۲۔ المخفف۔ اس کے دائرے مدور تھے۔ اور اس کا دوسرا نام اسکولیتیا تھا

۳۔ السرطار۔ یہ مراسلت عامہ کا خط تھا۔ اور عربی خط رقاع سے مشابہ تھا۔

[2]سطرنجیلی میں اول نبطیوں نے اور بعد میں حیرا والوں نے مناسب ترمیم کی اور قبائل قریش نے مہذب حالت میں اس خط کی تعلیم اہل حیرہ سے حاصل کی۔ جو ترقی پاکر خط نسخ بن گیا۔ (تفصیل آگے ملاحظہ ہو)

نقشہ کی صراحت کے بعد قدیم خطوط میں میخی، حلیئی، حبیئی اور سومری خطوط ہیں۔ اور ان کی مختصر کیفیت حسب ذیل ہے۔

۴۔ خط سومری

یہ قدیم اہل بابل کی یادگار ہے۔ اس کا نمونہ اس کتاب کے حصہ چہارم میں صفحہ ۳۹ پر ملاحظہ فرمائیے۔ ایک مدت دراز کے بعد یہ خط بھی خط پیکانی میں تبدیل ہوگیا۔

۵۔ خط مسماری[3] میخی پیکانی اسفینی۔ گنی فارم

اس خط کی ابجد آہنی کیلوں یا تیر کے مشابہ تھی۔ اس مناسبت سے عرب، عجم اور یورپ نے مندرجہ بالا نام رکھے ہیں۔ جو نہایت موزوں ہیں۔ خط مسماری کی ابجد میں الکیس ۲۱ حروف ہیں۔ لیکن اختلاف حرکات و

---

[1] سطرنجیلی ابجد کتاب ہذا کے حصہ چہارم کے صفحہ ۳۵ پر ملاحظہ فرمائیے

[2] از کتاب انتشار الخط العربی سعید فتاح عبادہ مطبوعہ مصر ۱۹۱۵ء

[3] خط میخی یا پیکانی کی ابجد اس کتاب کے حصہ چہارم کے صفحہ ۳۹ پر ملاحظہ فرمائیے۔

اصوات کی بنا پر ان اکیس[۲۱] حروف میں بہت سی تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ اور اب اس کی ابجد میں اکتیس[۳۱] حروف ہیں۔ یہ خط بھی ابتدا میں تصویری تھا۔ بعد میں ہیکانی ہو گیا۔ جس کا ایک کتبہ نوشتہ سنہ ۳۳۵ ق م برٹش میوزیم لندن میں موجود ہے۔ اس خط کو کلدانیوں (عراقی، بابلی، اشوری) نے فنیقی قوم سے سیکھا تھا۔ جس کی ابتدا پانچویں صدی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی تھی۔ اشوریین سے یہ خط ایرانیوں نے سیکھا۔ یا یہ کہنا چاہیئے کہ آریہ قوم کا یہ قدیم خط ہے۔ متوازی الافق سطور میں بائیں سے دائیں جانب لکھا جاتا تھا ـــــــ

آثار قدیمہ تخت جمشید، بے ستون، ہمدان، شوش، کرمان شاہان کی قدیم عمارات میں اکثر کتبات ہیں جو مسماری قلم میں ہیں۔ اس خط کا پڑھنا عجمیات کے کارناموں میں سب سے بڑا کارنامہ[۱] ہے۔

سب سے اول گروٹ فنٹ نے انیسویں صدی کے آغاز میں یہ خط اور اس کی زبان کو حل کیا۔ اور ثابت کیا کہ ان کتبات کی زبان ژند یعنی اوستائی ہے یا یہ کہ ہخامنشی عہد کی قدیم فارسی ہے۔

گروٹ فنٹ[۲] نے اصطخر میں جو مسماری کتبہ پڑھا اس کی زبان کا یہ نمونہ ہے

دارا دھیوش، خشی ھی اؤ، انکیریے خشی ھی اؤ خشی ھی ادھیت چاؤ خشی ھی او، دارا ھوت چاد، کشتا سپا ھی، یون، اخیوت چو شوہ، آہ، دا دمو دو، ابیزت چوش الخ

اس تحقیق کے بعد سنہ ۱۸۶۲ء میں جرمنی عالم اسپیگل (Spiegel) نے اس خط کو حل کیا۔ اس کی ابجد اور صرف و نحو مرتب کی۔ جس سے مطالعہ آسان ہو گیا۔ اور یورپ کے

۱؎ تاریخ ادبیات ایران مصنفہ پروفیسر براؤن صفحہ ۱۰۵ مطبوعہ اورنگ آباد دکن۔

۲؎ ،، ،، ،، ،، ۱۱۰-۱۱۱ ،، ،، ،،

بعض علما کے اس خیال کو غلط ثابت کیا کہ یہ کوئی خط نہیں ہے بلکہ محض دیواروں کے نقش و نگار ہیں۔

موجودہ کتبات بادئ تعیز بین قسم کے رسم الخط میں ہیں۔ لیکن ان کی اصل ایک ہے اور وہ باہم ملتے جلتے ہوئے ہیں۔

مسماری[1] ابجد میں حسب ذیل حروف ہیں۔

اب پ ت ث ج خ د ر ز س ش ف ک گ م ن و ہ ی ۔ (۲۰)

حرف ت کے بعد ایک حرف بز (پانچواں حرف) بھی ہے۔ جس کی آواز دہری ہے۔

مسماری ابجد میں ح ذ ص ض ط ظ ع غ ق ل (۱۱) موجود نہیں ہیں۔

سومری خط سے مسماری خط نکلا ہے۔ اور اس کی اصلاح بابل میں ایران کی اشاعت سے ہزاروں برس قبل ہو چکی ہے۔

سومریوں کے زوال پر بابل میں عرب خاندان حمورابی کی حکومت قائم ہوئی یہ خاندان سنہ ۲۴۶۴ ق م سے سنہ ۲۰۸۱ ق م تک رہا۔ اس خاندان کے چھٹے فرمانروا کا نام حمورابی تھا۔ جس کے نام سے حکومت منسوب ہے۔ چنانچہ عہد حمورابی (سنہ ۲۲۸۵ لغایتہ سنہ ۲۲۳۲ ق م) کا ایک کتبہ شہر شوش میں سنہ ۱۹۲۱ء میں برآمد ہوا ہے۔ جس میں دو سو بیاسی ۲۸۲ دفعات کا ایک قانون سلطنت[2] ہے۔ یہ قانون سلطنت ایک سیاہ پتھر کی سل پر کندہ ہے۔ اس کے حروف مسماری ہیں۔ اور ایرانی کتبات اس کے بہت

---

[1] سفرنامہ میرزا فرصت شیرازی مطبوعہ بمبئی صفحہ ۱۴۷

[2] تاریخ عہد جاہلیت میں مصنف البرامکہ نے اس قانون کا پورا ترجمہ نقل کیا ہے۔ اور یہ انگریزی میں بھی کتاب کی صورت میں چھپ چکا ہے۔

بعد کے ہیں۔

حمورابی کتبہ کے بعد اشور بنی پال (۶۶۸ ق م لغایۃ ۶۲۶ ق م) کے کتبات ہیں۔ یہ عمارتی کتبے نہیں ہیں بلکہ مستقل کتابیں ہیں جو خط مسماری میں لکھی گئی ہیں۔ اور ایک ایک کتاب پچاسوں اینٹوں پر ہے جو آگ میں پختہ کی گئی ہیں۔

قانون، لغت، صرف و نحو، ادب، نجوم، عقائد، گنڈے، تعویذ پر یہ کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اشور بنی پال کا یہ کُلی کتب خانہ جو ۶۵۰ ق م میں جمع کیا گیا تھا کھنڈرات بابل و نینوا سے برآمد کیا گیا ہے۔ ۱۸۵۰ء میں آجیگل جرمنی نے اس کتب خانہ سے فائدہ اٹھایا ہے۔ اور بعد میں حروف تہجی مرتب کی ہے۔

۶۔ خط حِلیثی یہ قوم فراعنہ مصر کی ہمعصر تھی۔ جو شام سے ایشیائے کوچک تک آباد تھی لیکن ولادت مسیح علیہ السلام سے قبل فنا ہو چکی تھی۔ اس خط کے کتبات شہر حماۃ (شام) میں برآمد ہوئے ہیں۔ یہ خط بھی مصری خط کی طرح تصویری تھا لیکن ہیرو غلیفی کے مقابلہ میں بہت بھدا تھا۔

۷۔ خط چینی ایشیائی خطوط میں چینی خط بھی عجیب و غریب تھا۔ یہ خط بھی اوپر سے نیچے کو لکھا جاتا تھا، کیونکہ چینیوں کا اعتقاد تھا کہ فیضان الٰہی کا نزول بلندی سے پستی کی جانب ہوتا ہے۔

عرب چینی رسم الخط کو شجر کہتے تھے۔ کیونکہ درختوں کی شاخوں کی طرح یہ خط پیچدار تھا۔ جاپانی[1] اور قدیم مغلی خط چینی کی شاخیں ہیں۔ اس کا مختصر بیان پہلے لکھا جا چکا ہے

۱۲۔ نشان کتابت اُمم سامیہ[2] (حضرت سام بن نوح ؑ کی اولاد) اپنی ابجد کو عموماً

---

[1] جاپانی ابجد اس کتاب کے حصہ چہارم کے صفحات ۹-۱۰-۱۱-۱۲ پر ملاحظہ فرمائیے

[2] صبح الاعشیٰ صفحہ ۲۱ جلد ۳ مصنفہ علامہ ابو العباس قلقشندی مطبوعہ مصر

دائیں جانب سے لکھی تھیں اور یہ اصول عین فطرت کے مطابق تھا، کیونکہ حرکت طبعی دائیں ہاتھ اور دائیں قدم سے شروع ہوتی ہے۔ اور آسمان کی حرکت بھی دائیں سے بائیں جانب (مشرق سے مغرب) ہوتی ہے۔ لیکن مغربی اقوام میں کتابت کا رواج بائیں سے دائیں جانب ہوا۔ کیونکہ حکمائے یونان کے نزدیک خون کا دوران قلب سے شروع ہوکر بائیں جانب ہوتا ہے۔ اور نیز قلب عقل کا مرکز ہے۔ ابتدا میں یونانی بھی دائیں جانب سے لکھا کرتے تھے۔ پھر یہ رفتار بدل گئی۔

۱۔ سریانی ۲۔ عبرانی ۳۔ عربی خطوط دائیں جانب سے لکھے جاتے تھے۔ اور ہندی قبطی، رومی اور قدیم فارسی بائیں جانب سے چنانچہ یہی اصول ان خطوں کی شان میں قائم رہا۔

۱۳۔ ابجد میں تاریخی انقلاب

تحقیقات جدیدہ کے مطابق مصری ابجد سے پہلے فنیقی خط نکلا۔ پھر یہ خط دوسرے خطوط کا ماخذ قرار پایا۔ فنیقی قلم سے چار مشہور خط نکلے یعنی یونانی قدیم، عبری قدیم ارامی اور مسند حمیری۔

ارامی کی نسبت جس کا دوسرا نام سامی ہے اسی قدر کہہ دینا کافی ہے۔ کہ یہ خط مسند حمیری سے بہت پہلے جاری تھا۔ اور اس کی اشاعت بہت بڑھ گئی تھی۔

ارامی سے حسب ذیل چھ خط نکلے اور خود فنا ہوگیا۔

۱۔ نبطی || مدین، ارض سینا فلسطین اور حوران (ممالک شام) میں جاری تھا

۲۔ سریانی || یہ توراۃ مقدس کا خط تھا۔ پانچویں صدی عیسوی کے نمونے موجود ہیں۔

۳۔ تدمری || شہر تدمر (پال مائر) جو دمشق سے جانب شمال ایک سو پچاس میل کے فاصلہ پر تھا۔ یہ ایک تجارتی شہر تھا جو اب فنا ہوگیا۔ اب یہاں بدوی قبائل بستے

ہیں۔

۴۔ عبری مربع (موجودہ[1] عبرانی خط) اس خط کی بنیاد بابل میں پڑی تھی۔ یہ وہ زمانہ ہے (عہد بخت نصر ۵۶۱ ق م) جبکہ بنی اسرائیل بیت المقدس سے جلاوطن ہو کر آباد ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ بابل میں خط مسماری اور ارامی بھی جاری تھا جس میں توراۃ لکھی گئی تھی۔ لیکن عبری خط کا کوئی نسخہ نویں صدی سے قبل کا موجود نہیں ہے

۵۔ پہلوی یہ ایران کا قدیم خط ہے جو مردہ ہو چکا۔

۶۔ ہندی[2] یہ زندہ قوم کا خط ہے۔ جس میں سنسکرت اور اس کی تمام شاخیں شامل ہیں۔ (مردم شماری کی تازہ رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان میں دو سو پچیس زبانیں بولی جاتی ہیں۔)

جزیرۃ العرب کے باشندے جب بہ تقریب سیاحت و تجارت ملک شام میں گئے۔ تو انہوں نے نبطی قوم سے ان کا خط بھی سیکھا۔ جس کا نام اصلاح و تہذیب کے بعد مسند حمیری[3] قرار پایا۔

۱۴۔ خط مسند یا مسند حمیر دور حاضرہ میں مستشرقین یورپ نے یمن کی جو تاریخ کتبات آثار قدیمہ سے مرتب کی ہے وہ عربوں کی موجودہ تاریخوں سے زیادہ صحیح اور معتبر ہے۔ چنانچہ تاریخ یمن کے تین دور یا طبقات ہیں۔

---

[1] عبرانی ابجد اس کتاب کے حصہ چہارم کے صفحات ۵، ۴۴، ۴۳، ۴۵ پر ملاحظہ فرمائیے۔

[2] ہندوستان میں مختلف اقوام آباد ہیں اور ہر ایک کا رسم الخط جداگانہ ہے۔ میں نے ہندوستان کے اکثر حصہ کے باشندوں کی ابجد یا رسم الخط کے نمونے اس کتاب میں درج کئے ہیں۔

[3] مسند حمیری یا قدیم حمیری ابجد اس کتاب کے حصہ چہارم کے صفحہ ۴۱ پر ملاحظہ کیجئے۔

اول ملوک معین ۔ دوم ملوک سبا ۔ سوم ملوک حمیر نسلی اعتبار سے یہ ایک ہیں ۔ البتہ ان کی حکومت مختلف زمانوں میں رہی ہے ۔ جس کی تفصیل یہ ہے :-

۱۔ حکومت معین سنہ [illegible] ق م سے سنہ [illegible] ق م تک (صحیح روایات کے مطابق)

۲۔ حکومت سبا سنہ ۶۵۰ ق م سے سنہ ۱۱۵ ق م تک

۳۔ حکومت حمیر سنہ ۱۱۵ ق م سے سنہ ۵۲۵ء تک

معین کسی قوم کا نام نہ تھا بلکہ ایک مستقل آبادی کا نام تھا جو حضرموت و سبا کی ملحق تھی ۔ محقق آثار قدیمہ یمن ابن حائک ہمدانی[1] مصنف الاکلیل متوفی سنہ ۳۳۴ھ کی تحریر کے مطابق یہ اسفل جوف (یمن میں ایک مشہور مخلاف (تاریخ میں چھوٹے چھوٹے پرگنات کا نام مخلاف ہے جس کی جمع مخالیف آتی ہے) تھا ۔ اور حکومت کا صدر مقام قرن تھا ۔ جس کا ذکر مخلاف براقش کے ساتھ ساتھ آتا ہے ۔ یاقوت حموی نے بھی ان کا تذکرہ کیا ہے ۔ جس کی مزید تائید شعرائے عرب کے اشعار سے ہوتی ہے ۔

اہل معین (ان کا قومی نام کسی مورخ نے نہیں لکھا ہے) تجارت پیشہ تھے ۔ جس کا سلسلہ یمن سے شمالی عرب میں العُلا تک پھیلا ہوا تھا ۔ چنانچہ حروف مسند کے موجد بھی معینی ہیں ۔ اہل معین کی زبان یا لغت سبائیوں سے مشابہ تھی ۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی ابجد بھی مسند حمیری کے نام سے آج تک مشہور ہے ۔

نشوان بن سعید الحمیری (متوفی سنہ ۵۷۳ھ / ۱۱۷۷ء) اپنی مشہور کتاب شمس العلوم[2] میں لفظ مسند کی تشریح میں لکھتے ہیں : مُسند، مفعل بضم المیم و فتح العین المسند خط حمیر وھو موجود کثیر فی الحجاز و القصور وھذہ صورتہ علی حروف المعجم

---

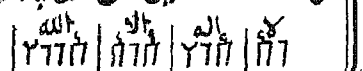
[1] کتاب الاکلیل ہمدانی مطبوعہ جرمنی سنہ ۱۸۸۱ء باب آثار قدیمہ و معجم البلدان یاقوت مطبوعہ مصر

[2] شمس العلوم مطبوعہ لیڈن (ہالینڈ) سنہ ۱۹۱۶ء صفحہ ۵۲ ۔

(ترجمہ) خط مسند حمیر (نشوان بن سعد) کے زمانہ تک صوبہ حجاز میں موجود تھا۔ اور عمارات کے کتبات اسی خط میں تھے۔ اور حبش کا خط بھی اسی ابجد سے ماخوذ ہے
لفظ سند کے متعلق کتاب شمس العلوم کی بقیہ عبارت یہ ہے۔

"و لہ صورۃ کثیرۃ الا ان ھذہ الصورۃ اصحہا و اعلم انھم یفصلون بین کل کلمتین بصفر لئن لا یختلط الکلام و صورۃ الصفر عندھم کصورۃ الالف فی العربی مثال ذالک لا الہ الا اللہ"

(ترجمہ) حروف کی اور شکلیں بھی تھیں۔ لیکن یہ رسم الخط سب سے زیادہ صحیح ہے۔ اس کی کتابت کا یہ طریقہ ہے کہ ہر دو کلموں کے مابین (امتیاز کیلئے) ایک صفر بڑھاتے ہیں تاکہ الفاظ جملہ باہم مخلوط نہ ہو جائیں۔ لیکن صفر (گول نقطہ) کی صورت حرف الف عربی (یا ایک لکیر) کے مشابہ ہوتی ہے۔ مثلاً لا الہ الا اللہ لکھنا منظور ہے تو اس کی کتابت خط مسند میں اس طرح پر ہوگی۔



اس ابجد نے زمانہ حال میں بڑا کام کیا۔ مستشرقین یورپ نے ان حروف کی بدولت یمن کے سینکڑوں کتبات پڑھ ڈالے اور جدید تاریخ مرتب کر لی۔

مسلمانوں میں ہر چیز کا آغاز مذہب سے ہوتا ہے۔ کتاب التیجان[1] میں حضرت وہب سے روایت ہے کہ حضرت اخنوخ یعنی حضرت ادریس علیہ السلام پر پہلی وحی میں "بسم اللہ الرحمن الرحیم" اور تیسری وحی میں پوری ابجد نازل ہوئی۔ اور اہل دنیا میں حضرت ادریسؑ پہلے کاتب ہیں۔ اور یہ وحی بزبان سریانی تھی۔ یہ روایت بظاہر روایات مندرجہ بالا سے مخالف ہے۔ لیکن اس کی تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے عہد میں جو ابجد

---

[1] مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن صفحہ ۲۲۔

ہوگی اس کی تکمیل حضرت ادریس علیہ السلام کی ذات سے ہوئی۔ لیکن حضرت آدم اور حضرت ادریس علیہما السلام کے عہد کے خطوط کا آج کوئی نمونہ دنیا میں موجود نہیں ہے۔ لہٰذا یہ بحث ہی فضول ہے۔

دنیا میں جس قدر نمونے خط کے موجود ہیں ان کی تاریخ مصر سے شروع ہوتی ہے۔ پھر مصری خطوط میں اہل فنیقیہ نے اصلاح و تہذیب کی تھی۔ چنانچہ انہوں نے مصری کاہنوں سے صرف پندرہ حروف لئے تھے، باقی سات حروف کا اپنی طرف سے اضافہ کیا تھا۔ (یہ کون پندرہ حروف تھے اس کی تفصیل معلوم نہیں ہے۔) اور حروف کے نام بھی مصری ابجد سے اخذ کئے تھے۔ جیسا کہ محققین یورپ نے ثابت کیا ہے۔ تصویریں فنا ہو چکی تھیں، اور حروف میں سادگی پیدا ہو گئی تھی۔ پھر فنیقیہ کی شاگردی کا فخر سامی نسلوں کو ہوا۔ اور سامیوں نے قدیم ابجد کو کمال پر پہنچا دیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اقوام عالم نے بقدر علم و فراست ابجد کی اصلاح کی۔ لیکن حرفوں کی آوازیں بادنیٰ تغیر باقی رہیں۔ یہاں ہمارا مطمح نظر ایشیا کی ابجدیات ہیں۔ لہٰذا اب ہم خط عربی سے آغاز کرتے ہیں۔

۱۵۔ اقوام عرب کی ابجد اور رسم الخط

ملاحظہ نقشہ[۱] سے واضح ہوتا ہے کہ پانچ کروٹوں کے بعد چھٹی مرتبہ سطر بخیلی ابجد کی جسامت میں سبکی اور حروف میں کسی قدر حسن پیدا ہوا تھا۔ کہ نبطیوں نے پھر کسی قدر پیچیدگی بڑھا دی، لیکن یمن میں جا کر عظیم تبدیلی ہو گئی۔ اور یہ خط مسند حمیری تھا۔ اسیں اول اہل حیرہ[۲] نے معتدل اصلاح کی اور یہی خط تھا جو اول کوفی کہلایا، اور یہ کوفی قدیم تھا

۱؎۔ نقشہ مصادر حروف تہجی اس کتاب کے حصہ چہارم کے صفحہ ۳ پر ملاحظہ فرمائیے۔
۲؎۔ ابجد حمیری یا کوفی قدیم اس کتاب کے حصہ چہارم کے صفحہ ۵ پر ملاحظہ فرمائیے

اور جس کی اخیر اصلاح کو نہیں ہوئی۔ وہ کوفی جدید تھا۔ پھر خلفائے بنی امیہ (دمشق) اور خلفائے عباسیہ (بغداد) کی علمی قدردانی سے خطِ کوفی جدید سے خطِ نسخ نکل آیا۔ یہ وہ ماہتاب ضیاپاش تھا جس کے نور وضیا کے سامنے دنیا کے تمام خطوط کی روشنی مدہم پڑگئی۔ خط کی تاریخ یہاں ختم ہو جاتی ہے لہٰذا اب ہم عربی ابجد کی تفصیل لکھتے ہیں۔

اصلی مصری خط کی ابجد میں بائیس[۲۲] حروف تھے جو فنیقی، آرامی، سطرنجیلی، نبطی، اور حمیری میں بدستور قائم رہے، اور وہ حروف حسب ذیل ہیں۔

ا ب ج د ہ و ز ح ط ی ک ل م ن س ع ف ص ق ر ش ت = ۲۲

چنانچہ عہد قدیم کے یہی مفردات ہیں جو ترتیب وار تین[۳] اور چار[۴] حرفوں سے مرکب ہو کر چھ[۶] کلمات پر تقسیم ہو گئے ہیں۔

ابجد[۴] - ہوز[۳] - حطی[۳] - کلمن[۴] - سعفص[۴] - قرشت[۴] = ۲۲

اب ج د - ہ و ز - ح ط ی - ک ل م ن - س ع ف ص - ق ر ش ت = ۲۲

بعد ازاں چھ[۶] حروف، ث۔خ۔ذ (ثخذ) ض۔ظ۔غ (ضظغ) عربوں نے ایجاد کئے اور یہ چھ[۶] حروف لسانِ عرب سے مخصوص ہیں کیونکہ دوسری زبانوں میں ان کے سرے سے مخرج ہی نہیں ہیں۔ یہ چھ حروف مسند سبائی اور حمیری میں بھی موجود ہیں۔ اس اضافہ سے عربی ابجد اٹھائیس حروف کی ہو گئی اور منجملہ اٹھائیس[۲۸] حروف کے د۔ت۔خ۔ث (دتخث) قدیم سریانی میں موجود تھے۔

قدیم حمیری ابجد (مُسنَد) میں یہ چھ حرف روادف کہلاتے ہیں۔ کیونکہ یہ حرف فنیقی میں نہ تھے اور ان پر نقطے بھی عربوں نے لگائے ہیں۔

اٹھائیس حروف کی تخصیص کیوں ہے؟۔ اس کی نسبت علامہ ابن ندیم[۱]

---

[۱] الفہرست صفحہ ۱۰۔ مطبوعہ لیزک جرمنی ۱۸۷۱ء

لکھتے ہیں کہ منازل قمر کے حساب سے عربوں نے اٹھائیس ۲۸ حروف وضع کئے۔ اور سات سیّارے ہیں اس مناسبت سے عرب کا کوئی کلمہ سات حروف سے زیادہ نہیں ہے۔ حروف الزوائد زیادہ سے زیادہ بارہ ۱۲ ہیں اور یہ تعداد بروج فلکی کے مطابق ہے۔ اعراب (زیر، زبر، پیش) تین ۳ ہیں، کیونکہ حرکت طبعی بھی تین ہیں۔ (حرکت نار۔ حرکت زمین۔ حرکت فلک) چنانچہ یہ اٹھائیس ۲۸ مفرد حروف، حروف الہجا، حروف المبنی، اور حروف المعجم کہلاتے ہیں۔ ارباب لغت نے ابجد، ہوز وغیرہ کے عجیب و غریب معانی لکھے ہیں۔ کسی کا قول ہے کہ یہ واضعان ابجد کے نام ہیں، کوئی کہتا ہے کہ یہ شیاطین ہیں، کوئی فرماتے ہیں کہ یہ سلاطین تھے۔ لیکن محققین [۱۵] کے نزدیک یہ سب مہمل روایات ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ علمائے ادب نے بچّوں کو مفردات کی تعلیم کے لئے یہ کلمات بنائے تھے کہ آسانی سے یاد ہو جائیں، اور اس ترتیب میں مخارج حروف کا بھی لحاظ رکھا گیا تھا اور یہ ترتیب نہایت قدیم زمانہ کی ہے۔ عراق و شام کے علمائے ادب کے خلاف اہل مغرب (بربر۔ مراکش) نے ابجد کی یہ ترتیب رکھی ہے۔

ابجد ۴، ہوز ۳، حطی ۳، کلمن ۴، صعفض ۴، قرشت ۴، ثخذ ۳، ظغش ۳ = ۲۸

ابجد کی یہ ترتیب صدیوں تک قایم رہی۔ لیکن ابن مقلہ کاتب (متوفی ۳۲۸ھ) نے بچّوں کی سہولیت کے لئے اس قدیم ترتیب کو بدل دیا۔ اور ہم شکل حروف مسلسل لکھے۔ مثلاً ب ت ث ج ح خ۔ الخ۔ اور مزید آسانی یہ کی کہ امتیاز کے لئے حروف پر مدور نقطے لگا دئے (یہ بحث تفصیل کے ساتھ آگے آئیگی)

حروف ابجد کی تعداد بلا اختلاف اٹھائیس ۲۸ ہے۔ لیکن جب حرف لا (لام الف) اس پر اضافہ کیا جائے تو کل انتیس ۲۹ حروف ہو جاتے ہیں۔ لیکن

---

[۱۵] تفصیل کے لئے رسالہ "زمانہ" جوبلی نمبر ملاحظہ فرمائیے جس میں تمام روایات درج ہیں۔

لام الف ابجد کا مستقل حرف نہیں ہے۔ یہ چوتھی صدی عیسوی کی ایجاد ہے

۱۶۔ عربوں میں علم الخط کی ترقی کے کیا اسباب تھے؟

یہ آپ جانتے ہیں کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم اور حضور کی قوم عموماً اُمّی تھی جس کی تصدیق قرآن کریم کی اس آیت سے ہوتی ہے کہ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا؎ جب قرآن پاک نازل ہونا شروع ہوا تو کتابت وحی کے لئے کاتبوں کی ضرورت ہوئی۔ اور جب جزیرۃ العرب میں اسلام پھیل گیا تو قرآن مجید کی اشاعت فرض ہوئی۔ اس عہد میں چھاپہ کی مشینیں موجود نہ تھیں۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس کمی کو محسوس فرما کر علم الخط کی طرف توجہ فرمائی۔ اور اتّفاق سے اسی زمانہ میں غزوہ بدر ہوا۔ قیدیوں میں ستّر اصحاب ایسے تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان قیدیوں سے بجائے نقدی کے یہ فدیہ قرار دیا کہ ہر ایک قیدی دس دس مسلمانوں کو علم الخط کی تعلیم دے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ یکایک مسلمانوں میں سات سو کاتبوں کا اضافہ ہوگیا۔ اور نور رسالت نے لمعہ افگن ہو کر دنیائے اسلام کو روشن کر دیا۔ یا یہ کہنا چاہیئے کہ کتابت کا پہلا مدرسہ مدینہ طیبہ میں قائم ہوا۔ ورنہ مکّہ معظمہ (قبیلہ قریش) میں صرف سولہ اشخاص تھے جو لکھنا جانتے تھے حضرت عمر[۱] بن خطاب۔ حضرت علی[۲]۔ حضرت عثمان[۳]۔ حضرت ابو عبیدہ[۴]۔ ابان[۵] بن سعید۔ یزید[۶] بن سفیان۔ ابو حذیفہ[۷] بن عتبہ بن ربیعہ۔ طلحہ[۸]۔ حاطب[۹] بن عمرو۔ خالد[۱۰] بن سعید۔ عبد اللہ[۱۱] بن سعد عامری۔ حویطب[۱۲] بن عبد العزیٰ عامری۔ ابو سفیان[۱۳] بن حرب۔ معاویہ[۱۴] بن ابی سفیان۔ جہیم[۱۵] بن الصلت۔ علاء[۱۶] بن الحضرمی

؎ فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۴۷۹ مطبوعہ مصر

ان کے علاوہ مقاتن کا نام بھی بعض کتابوں میں مذکور ہے۔
بعد ازاں جب فتوحات میں ترقی ہوئی تو یہ ضرورت پیش آئی کہ سرداران عرب اور سلاطین عالم کو تبلیغی خطوط بھیجے جائیں اور یہ خطوط یا فرامین شاندار ہوں۔ چنانچہ مشہور کاتبوں نے یہ فرمان لکھے۔

خلافت راشدہ میں جب فتوحات کا دائرہ وسیع ہوگیا اور تمدن نے غیر معمولی ترقی کی تو دیگر لوازمات تمدن کے ساتھ علم خط نے بھی ترقی کی اور ایک چوتھائی صدی کے اندر سینکڑوں کاتب اور منشی پیدا ہوگئے۔
مؤرخین عرب یہ بھی لکھتے ہیں کہ مکہ معظمہ میں نفیس، نصر، تیمار اور دومہ پسران حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے ایک رسم الخط جاری کیا تھا۔ یہ سب موصولہ حروف تھے۔ چنانچہ اس خط میں بنت، ہمیسع اور قیدار نے تفریق کی اور اشباہ و نظائر پیدا کئے۔ اور اسی عہد میں موصولہ کے ساتھ حروف منفصل بھی ایجاد ہوئے۔ مورخ ہشام بن محمد کی روایت ہے کہ اول جس نے عربی خط لکھا وہ قبیلہ نضر بن کنانہ سے تھا۔ دوسری روایت ہے کہ عربی خط کا موجد حمیر بن سبا ہے۔ بہرحال یہ سب قبیلہ قریش کے لوگ تھے۔
ایک روایت یہ ہے کہ امرائے یمن ایک خط سے واقف تھے جو منفصل (جس کے حرف الگ الگ ہوں) تھا۔ اور اس کی تعلیم میں انتہائی بخل سے کام لیا جاتا تھا۔ لیکن آغاز اسلام تک یہ فنا ہوچکا تھا۔
ہماری رائے میں یہ وہی خط تھا جس کی اصلاح قیدار وغیرہ نے کی تھی

---

[1] صبح الاعشیٰ صفحہ ۱۳۔ جلد ۳۔ مصنفہ علامہ ابوالعباس احمد قلقشندی۔ مطبوعہ مصر۔

۱۷۔ عہدِ رسالت میں خط کی کیا شان تھی

خط سنطی سے اہلِ یمن نے جو مہذب خط نکالا تھا وہ مسند حمیری تھا اور پھر مسند حمیری سے خط حیری نکلا۔ اور پھر کوفہ میں خط حیری کی اصلاح ہوئی۔ مسند حمیری کا پہلا نام جزم تھا۔ جزم کے معنی نوزائیدہ بچہ کے ہیں۔ اور وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔

اس خط کو شہر کی نسبت سے خط کوفی کہنا تو جائز ہے۔ لیکن یہ اصطلاحی خط کوفی ہرگز نہ تھا جسکو عوام خط کوفی کہتے ہیں۔ (خط کوفی کی تاریخ آگے آئیگی) بلکہ یہ وہ خط تھا، جس کو اہل یمن اور اہل مکہ معظمہ نے حیرہ والوں سے حاصل کیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرامین فرمانروایان عجم اور مصر وغیرہ کو روانہ کئے تھے وہ یہی حیری مہذب خط تھا جس سے مصطلح خط کوفی کی ابجد اخذ کی گئی ہے۔

فرامین رسالت کا بڑا حصہ تلف ہوچکا ہے۔ ایک فرمان جو مسیلمہ کذاب کے نام لکھا گیا تھا اس کا فوٹو ۱۸۹۶ء میں لندن کے پکچر میگزین میں شایع ہوا تھا۔ اور دوسرا فرمان جو مقوقس عامل مصر کے نام سنہ ۶ھ میں تحریر ہوا وہ مصر کے شاہی خزانہ میں محفوظ تھا جو کسی ذریعہ سے مستشرقین یورپ کو مل گیا۔ اور اُس کا فوٹو اول رسالہ الہلال مصر میں شایع ہوا۔ اس کے بعد تاجران بیت المقدس نے یہ فوٹو شایع کیا۔ اب ہم اپنے مخدوم مصنف البرامکہ کی جدید تصنیف تاریخ اسلام (عہد رسالت) کے قلمی مسودہ سے اس فوٹو کا عکس لیکر نذر ناظرین[1] کرتے ہیں۔

[1] فتوح مصر مصنفہ ابن عبد الحکیم میں یہ پورا خط موجود ہے۔ لیکن اس میں اور فوٹو کی عبارت میں بعض الفاظ کا فرق ہے۔ لیکن کتب احادیث کے مطابق ہے اور یہی صحیح ہے۔ صفحہ ۴۶ مطبوعہ لیڈن (ہالینڈ) سنہ ۱۹۲۰ء

کرتے ہیں جو مسلمانوں کے لئے اس تبرک سے زیادہ بیش قیمت دوسرا ہدیہ نہیں ہو سکتا ہے۔

عکس فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کتاب کے حصہ چہارم کے صفحہ ۱۴ پر ملاحظہ فرمایئے۔ یہ اصل فرمان ہے جو گھومتا پھرتا یورپ تک پہنچا اور یورپ کی قدردانی سے آج ہم مستفید ہو رہے ہیں۔

نقشہ مصادر حروف تہجی میں جو حیری ابجد درج ہے۔ اب اُس کا مقابلہ اس فرمان سے کیجئے تو ظاہر ہوگا کہ قدیم نبطی خط، حیرہ سے چل کر جب یمن اور کوفہ میں پہنچا ہے تو اس کی کیا شان تھی اور وہ کس درجہ خوبصورت اور مہذب ہو چکا تھا لیکن عربوں کے سوا کوئی اور قوم اس کو لکھ پڑھ نہیں سکتی تھی۔ اور خلفائے راشدین بیقرار تھے کہ کسی طرح قرآن شریف ممالک مفتوحہ میں پہنچے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ کے عہد میں کامیابی ہوئی۔ اور چند نسخے قرآن مجید کے مرتب ہوئے۔ لیکن اس خط میں سینکڑوں نقلیں کرنا محال تھیں۔ خطوط اور عام مراسلات کے علاوہ عہد عثمانیؓ تک جس قدر قرآن شریف لکھے گئے ہیں وہ سب حیری خط میں تھے۔ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جو قرآن پاک لکھا اس کا بھی یہی خط تھا۔ اور عام طور پر خط کوفی کی جو نسبت امام علیہ السلام سے ہے وہ تاریخی غلطی ہے۔ اس عہد تک قرآن کریم میں نقاط، اعراب اور علامات اوقاف لکھنے کا دستور نہ تھا۔ چنانچہ فرمان

---

۱ تاریخ عثمانی ملاحظہ فرمایئے۔

۲ حضرت امام حسن علیہ السلام کے دست مبارک کے لکھے ہوئے قرآن کریم کے ایک صفحہ کا فوٹو سالنامہ مجلہ کابل سنہ ۱۳۱۲ میں شایع ہوا ہے اس کا رسم الخط بجنسہ اس کے مطابق ہے جس میں نے اس کتاب کے حصہ چہارم کے صفحہ ۴۴ پر فوٹو بلاک درج کیا ہے۔ جہاں تک میرا خیال ہے یہ نمونہ بھی حضرت امام حسنؑ کے قلمی قرآن مجید سے لیا گیا ہے

رسالت بھی ان علامات سے خالی ہے۔ اور یہی حال مصاحف مکتوبہ کا تھا۔ اگر قرآن پاک کو نظر غور سے دیکھا جائے تو فن کتابت کے متعلق بہت سی باتیں معلوم ہونگی۔ مثلاً اشہدوا (صیغہ جمع) کے اخیر میں جو حرف الف کا اضافہ ہے وہ اسی عہد کی یادگار ہے جس کی تقلید آج تک جاری ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ایک لفظ کو توڑ کر دو حصّوں میں لکھنا معیوب نہ تھا مثلاً "ورسولہ" پہلی سطر میں صرف "و" ہے اور "رسولہ" دوسری سطر میں ہے۔ اسی طرح اور لفظ بھی ہیں۔ اس وقت تک "الف" بھی سیدھا نہیں ہوا تھا، بلکہ نیچے کا سرا پیچھے کو مڑا ہوا تھا جس کی صورت "ا" کی سی ہے۔

۱۸۔ مکہ معظمہ میں کتابت کی تعلیم کے اسباب اور اُن کے معلم

تاریخ سے ثابت ہے کہ قریش کا ذریعہ معاش تجارت تھا۔ اور اس ضرورت سے وہ عجم، شام، مصر اور روم تک تجارتی مال لیکر جاتے تھے، اپنا مال بیچتے تھے اور دوسرے ممالک کا مال عرب میں لاتے تھے۔ اس سیر و سیاحت میں انہوں نے علم خط سیکھا۔ کیونکہ تاجر کیلئے جمع خرچ کا لکھنا ضروری ہے۔ ابن ندیم اور قلقشندی[1] کی (ابن عباس کی زبانی) روایت ہے کہ قبیلہ بولان (شاخ قبیلہ طے) کے تین شخص جو شہر انبار (عراق) میں رہتے تھے وہ خط عربی کے موجد (مصلح کہنا چاہیئے) ہیں۔

۱۔ مرامر بن مرہ۔ ۲۔ اسلم بن سدرہ۔ ۳۔ عامر بن جدرہ۔ ان مصلحین میں مرامر مذکور حروف کی شکل و صورت کا واضع ہے۔ اور مرامر کے شاگرد اسلم بن

---

[1] صبح الاعشیٰ مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲ تا ۱۴۔ جلد ۳ مصنفہ علامہ ابوالعباس احمد قلقشندی

سدرہ نے حروف مقطعہ اور موصولہ (جوڑ و پیوند) کی کتابت اور ان کے ہجے سریانی زبان پر قیاس کر کے ایجاد کیے۔ اور عامر نے نقطے اور اعراب لگائے۔ یہ نقطے اور اعراب کس قسم کے تھے۔ اس کی کوئی تفصیل نہیں لکھی جا سکتی ہے۔ اور ابجد بھی ترتیب دی تھی۔ یہ تینوں ہمعصر تھے۔

مرامر کی نسبت مشہور ہے کہ وہ خلف جان، کاتب وحی حضرت ہود علیہ السلام کا شاگرد تھا۔ اور انبار میں رہتا تھا۔ لیکن تاریخی تحقیقات کے مطابق مرامر براہ راست خلف جان کا شاگرد ہرگز نہیں ہو سکتا ہے۔ کیونکہ مرامر اور حضرت ہود[۱] میں صدیوں کا فرق ہے۔ اور جنوبی عرب میں مسند حمیری خط حضرت مسیح سے کئی صدی قبل جاری تھا۔ اور اس زمانہ تک مسند کے حروف اپنے اصل فنیقی سے بہت زیادہ آڑے ترچھے تھے۔ جس کی مرامر اور اس کے شاگردوں[۲] نے اصلاح کی۔ چنانچہ انبار والوں نے یہ خط ان معلموں سے حاصل کیا۔ پھر اہل انبار سے حیرہ والوں نے سیکھا۔ اور زمانا بعد میں یہ سلسلہ حیرہ سے مکہ معظمہ، کندہ، اور حضرموت تک پھیل گیا۔ یہ آخری عہد کی تاریخ ہے کیونکہ حیری خط بہت قدیم ہے۔ اس[۳] قدیم خط کی دو شاخیں تھیں۔ ایک مقور دوسری لسیلط مقور تقویر سے مشتق ہے جس کا ترجمہ ہے پنجوں کے بل چلنا اور اس قدر دبے پاؤں کہ آہٹ معلوم نہ ہو۔ غرض یہ ہے کہ اس خط کے حروف اسفل کی جانب مائل تھے۔ پھیلاؤ کم تھا اور نرمی سے لکھا جاتا تھا۔ اصطلاحاً یہ خط خطِ ثلث اور

---

[۱] نوٹ: حضرت ہود علیہ السلام کا زمانہ ۱۸۰۰؁ یا ۲۲۰۰؁ ق م، تھا۔

[۲] بلوغ الارب مطبوعہ بغداد صفحہ ۳۸۲۔ الفہرست صفحہ ۴ مطبوعہ جرمنی۔

[۳] صبح الاعشیٰ صفحہ ۱۵ مطبوعہ مصر

رقاع سے مشابہ تھا۔ دوسرا خط بسیط مبسوط تھا۔ یہ نہایت واضح تھا۔ مساجد اور عمارات کے تمام کتبات اسی خط میں لکھے جاتے تھے اور اس کی شان محقق کی سی تھی۔

ولادت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل حرب بن امیہ (ابوسفیان کے والد اور امیر معاویہ کے دادا) نے یہ خط اسلم بن سدرہ سے سیکھا۔ اور جب حرب حیرہ سے یہ خط سیکھ کر آیا تو اُس نے اپنی اولاد اور خاص احباب کو اس کی تعلیم دی۔[1] اور مکہ معظمہ میں یہ خط عام ہو گیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ حیرہ جس طرح عہد قدیم میں خطاطی کا مرکز تھا۔ اسی طرح پچھلے دور میں بھی رہا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جد محترم عبد المطلب بن ہاشمؓ بھی لکھنا جانتے تھے لیکن اُن کا خط عورتوں کا سا تھا۔ آپکی ایک قلمی دستاویز خزانہ مامون رشید عباسی میں موجود تھی جو چمڑہ پر لکھی گئی تھی۔ یہ دستاویز قرضہ تھی۔

حضرت[2] عمرو وغیرہ ابوسفیان کے شاگرد تھے۔

بنو ہاشم نے بھی ایک خط ایجاد کیا تھا جو عراقی کے نام سے مشہور تھا۔ اور

---

[1] ایک روایت ہے کہ حرب بن امیہ نے بشر بن عبد الملک (برادر رئیس دومۃ الجندل) سے خط مسند حاصل کیا۔ اور اپنے استاد کو مکہ معظمہ میں لے آیا۔ اور اپنی بیٹی صہبا سے نکاح کر دیا۔ اس تقریب سے قریش میں یہ خط پھیلا۔ اور حضرت عمرو وغیرہ سب ابوسفیان کے شاگرد ہیں۔ حرب کے علاوہ ابو قیس بن عبد مناف بھی بشر کے شاگرد تھے۔ جب یہ لوگ بسلسلہ تجارت طائف گئے تو وہاں غیلان بن سلمہ ثقفی نے ان کی شاگردی کی۔ اس کے بعد بشر دیار مصر میں چلا گیا اور یہاں اس کا شاگرد عمر بن زرارہ ہوا۔

[2] ابن خلکان حالات ابن بواب کاتب و کتاب صبح الاعشیٰ مطبوعہ مصر صفحہ ۱۴

یہ خط عہد مامون رشید عباسی تک جاری تھا۔

علامہ قلقشندی کی ایک روایت سے ظاہر ہے کہ اسی زمانہ میں ابوعمر والدانی نے ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام کتاب "التنبیہ علی النقط والشکل" تھا جس میں ابوسفیان بن امیہ کی تعلیم کتابت کا ذکر ہے۔ یہ اس امر کی شہادت ہے کہ حروف کی طرح نقاط پر کافی بحث ہو چکی تھی۔ لیکن اول نقطے ابوالاسود ہی نے لگائے جس کی صراحت موجود ہے۔

واقدی کی روایت ہے کہ مدینہ طیبہ میں قبیلہ اوس اور خزرج کے لوگ پہلے نام لکھنا جانتے تھے۔ ابتدائً ایک یہودی نے یہ خط سیکھا اور اپنے بچوں کو سکھلایا۔ جب مدینہ طیبہ میں اسلام آیا تو اس وقت تقریباً انیس[19] کاتب موجود تھے جن میں اصحاب ذیل مشہور ہیں۔

۱۔ سعید بن زرارہ۔ ۲۔ منذر بن عمرو۔ ۳۔ اُبی بن کعب۔ ۴۔ زید بن ثابت۔ یہ اصحاب عبرانی اور عربی دونوں لکھتے تھے۔

اور جو محض عربی لکھتے تھے وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ رافع بن مالک۔ ۲۔ اُسید بن حضیر۔ ۳۔ معین بن عدی۔ ۴۔ ابوعبس بن کثیر۔ ۵۔ اوس بن خولی۔ ۶۔ بشیر بن سعد۔

۱۹۔ خلافت راشدہ میں قدیم خط میں کیا ترمیم ہوئی

جہاں تک تاریخی شہادت موجود ہے، خلافت حضرت عثمانؓ تک اس قدیم حیری خط میں کوئی ترمیم نہیں ہوئی۔ بدستور جاری رہا، لیکن امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت میں آپ کے ندیم خاص اور نامور شاگرد ابوالاسود دؤلی (ظالم بن عمرو بن سفیان تابعی) نے رسم خط میں ترمیم کی اور قرآن شریف میں اعراب بھی لگائے

یہ ضرورت کیوں پیش آئی، یہ ایک دلچسپ داستان ہے۔

ابو الاسود، بصرہ میں تھے کہ انہوں نے ایک شخص کو قرآن کریم پڑھتے ہوئے دیکھا، جب وہ اس آیت پر پہنچا کہ "اِنَّ اللّٰہَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ وَرَسُوْلُہٗ" تو اس نے رَسُوْلُہٗ کو بجائے زبر (فتحہ) کے زیر (کسرہ) سے پڑھا (غالباً یہ عجمی ہوگا) یہ سنتے ہی ابو الاسود برہم ہوئے، کیونکہ اعراب کے بدل جانے سے معنی میں زمین وآسمان کا فرق ہوگیا تھا۔ چنانچہ یہ زیاد حاکم بصرہ کے پاس اسی وقت گئے اور کہا کہ تم نے مجھ سے خواہش کی تھی کہ میں قرآن شریف کے رسم خط میں اصلاح کروں لیکن بدعت سمجھکر میں نے پہلے انکار کردیا تھا، اب وقت آگیا ہے کہ میں آپکے حکم کی تعمیل کروں۔ اور زیاد سے خواہش کی کہ مجھے ایک کاتب دیجئے کہ میں قرآن پاک کو لکھوا دوں۔ یہ درخواست منظور ہوئی اور ابو الاسود کے پاس ایک کاتب[۱] بھیجدیا گیا۔

ابو الاسود نے کاتب کو اپنے قریب بٹھا کر ہدایت کی کہ اب میں تم کو قرآن مجید لکھواتا ہوں۔

سنو! جس حرف کے ادا کرنے میں میرا منہ کھل جائے اس کے اُوپر تم ایک نقطہ لگاؤ۔ اور جس حرف میں دونوں لب کناروں سے ملے ہوئے ہوں اور منہ کو گول کرکے ادا کروں تو تم اس کے آگے (دائیں جانب) ایک نقطہ دیدو۔ اور جس حرف کے ادا کرنے میں آواز کا رخ نیچے کی جانب ہو تو تم اس کے نیچے ایک نقطہ لگاؤ۔ کاتب نے اس پر عمل کیا۔

یہی نقاط تھے جو قرآن شریف میں سو برس تک اعراب کا کام دیتے رہے۔

۱ے اغانی صفحہ ۱۰۶ جلد ۱۱ مطبوعہ مصر۔

اور ان کی صورت بجائے لکیروں کے نقطوں کی شکل میں رہی۔ پیش (ضمہ) بجائے اوپر کے حرف کے سامنے لگایا جاتا تھا۔ اور موجودہ ہجی میں تمیز کیلئے ب ت ث پر جو نقطے ہیں وہ زمانہ مابعد کی ایجاد ہیں۔ کیونکہ اس عہد کے عربوں کو نقاط کی ضرورت ہی نہ تھی۔ اور ایک روایت[1] سے معلوم ہوا کہ اسلام سے قبل بھی نقطے تھے۔ لیکن نقاط کا عام رواج خلیفہ عبدالملک بن مروان (متوفی سنہ ۹۶ھ) کے عہد سے ہوا تاکہ اہل عجم قرآن شریف صحیح پڑھ سکیں اور قرأت میں غلطی نہ ہو۔ اس کارخیر میں ظالم حجاج بن یوسف بھی شریک ہے (خدا مغفرت کرے)

عربی رسم الخط پر ابوالاسود کا احسان عظیم ہے۔ اور دوسرا احسان یہ ہے کہ انہوں نے حضرت علیؓ کی ہدایت کے مطابق عربی علم نحو کے ابتدائی قواعد منضبط کیے۔ اس نامور فاضل عرب نے سنہ ۶۹ھ میں انتقال کیا۔ ابوالاسود[2] کے نامور شاگرد نصیر[1] بن عاصم، یحییٰ[2] ابن یعمر عدوانی، میمون[3] بن اقرن، اور عنبسہ[4] بن معدان فہری تھے۔ یہ چاروں خطاط تھے۔ ان میں سے نمبر ایک اور نمبر دو نے نقاط میں بھی اصلاح کی تھی۔ اور مفرد و زوج نقطے لگائے۔ یحییٰ بن یعمر کی نسبت شہرت ہے کہ اس نے حجاج بن یوسف کے حکم سے نقطے ایجاد کیے تھے اور نقاط کی ضرورت اس بنا پر ہوئی کہ اکثر حروف باہم مشابہ (متشابہ الصور) تھے۔ اور اہل عجم کے لئے قرآن کریم کا پڑھنا محال تھا۔

یہ واقعہ ہے کہ حروف کی ایجاد کے بعد نقاط محض رفع اشتباہ کے لئے ایجاد ہوئے تھے۔

---

[1] انتشار الخط العربی بحث حروف ہجی۔ مصنفہ سعید فتاح عبادہ مطبوعہ مصر۔

[2] الفہرست ابن ندیم صفحہ ۷۰ مطبوعہ مصر اور انتشار الخط العربی۔ مطبوعہ مصر۔

۲۰- خلافت بنی امیّہ اور عباسیہ میں علم خط کی ترقی

خلافت راشدہ کے بعد جب دمشق میں امیر معاویہ کی حکومت قایم ہوئی اور اس خاندان میں اولوالعزم خلفا ہوئے اور درس وتدریس کا آغاز ہوا۔ تو علم الخط کی بھی ترقی ہوئی۔ لیکن اس عہد میں[1] صرف ایک قطبہ کا نام ملتا ہے۔ جس نے رائج الوقت خط سے چار قلم ایجاد کئے تھے (یعنی ایک ہی خط کو چار طرح سے لکھا۔ جو بادنیٰ تغیر ایک دوسرے سے اخذ کئے گئے تھے) اور ایک قرآن مجید بھی لکھا تھا۔ جو اس عہد کا پہلا قرآن شریف تھا۔ اس سے زیادہ تفصیل نہیں ہے۔

عہد خلافت ولید بن عبدالملک متوفی ۹۶ھ میں خالد بن ابی الہیاج خط کوفی کا مصلح اعظم تھا۔ مسجد نبوی پر جو کتبہ سورہ والشمس کا آب زر سے لکھا گیا ہے وہ خالد کے قلم کا ہے۔ اس نے قرآن شریف کے علاوہ بڑا ذخیرہ اشعار واخبار کا بھی لکھا تھا۔ اور خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے طلائی کار قرآن مجید برسوں کی محنت میں تیار کیا۔ جب امیرالمومنین کی خدمت میں اس کو بطور ھدیہ پیش کیا تو خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے مدح ثنا کے بعد قرآن شریف کو سر پر رکھا اور بوسہ دیکر واپس کردیا۔ کیونکہ خلیفہ اپنی عادت کے مطابق اس کے صلہ کا بار گراں بیت المال پر ڈالنا نہیں چاہتے تھے۔

دوسرا کاتب قرآن پاک ابویحییٰ، مالک بن دینار، غلام سامہ بن لوحی بن غالب تھا۔ یہ اجرت پر کتابت کرتا تھا۔

---

[1] الفہرست ابن ندیم مطبوعہ مصر ... اور کشف الظنون

خلافت بنی امیہ کے زوال پر جب اسلامی حکومت عباسیوں کے قبضہ میں آئی تو اس عہد میں علوم و فنون کی غیر معمولی ترقی ہوئی۔

ابو العباس سفاح جو بانی دولت عباسیہ ہے (صدارت کوفہ ۱۳۲ھ) اس کے عہد میں ضحاک بن عجلان شامی ایک نامور خوشنویس تھا۔ اس نے قطبہ کے قلموں کی اصلاح کی تھی۔ لیکن کیا اصلاح تھی؟ تاریخوں میں اس کی کوئی تفصیل نہیں ہے۔ یہ بھی کاتب قرآن کریم ہے ۱۵۴ھ میں فوت ہوا۔ سفاح کے بعد جب منصور عباسی (۱۳۶ھ) تخت نشین ہوا تو اسی عہد کا مشہور کاتب اسحاق بن حماد تھا۔ یہ عہد مہدی عباسی تک زندہ رہا۔ اس نے ضحاک کے قلموں کی اصلاح کی تھی۔

اسحاق کے شاگردوں میں یوسف[1] کاتب (ملقب بہ لقوہ شاعر) ابراہیم[2] بن الحسن۔ شفیر (غلام قاسم بن منصور) عبد الجبار رومی۔ شعرانی۔ الابرش۔ شلیم خادم جعفر برمکی۔ عمرو بن مسعدہ (کاتب خلیفہ مامون الرشید) مشہور کاتب تھے اور ان کے علاوہ ابن قیوما کی خوش نصیب کنیز ثنار بھی شاگردی میں داخل تھی بہر حال منصور اور مہدی کے عہد کے یہ نامور خطاط تھے۔ ان کے شاگردوں کی فہرست طویل ہوگی۔ جن کا مورخین نے کچھ ذکر نہیں کیا ہے۔

علامہ ابن ندیم نے قدیم مورخ اسلام محمد بن اسحاق کی روایت سے لکھا ہے کہ جزیرۃ العرب میں خطاطی کے چار مرکز تھے۔ ۱۔ مکہ معظمہ۔ ۲۔ مدینہ منورہ۔ ۳۔ بصرہ۔ ۴۔ کوفہ۔ اور ان اسلامی شہروں کی نسبت سے چار خط، مکی، مدنی، **بصری**، اور کوفی مشہور تھے۔ (یہ ایک دوسرے کے مقلد ہیں اور ماخذ سب کا ایک ہی تھا) اس تفصیل سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ چار مستقل خط ہو گئے بلکہ یہ وہی قدیم خط تھا جو عہد رسالت سے برابر جاری تھا اور ابو الاسود کے

زمانہ (سنہ ۶۵ھ) سے مہدی عباسی (سنہ ۱۶۹ھ) تک جاری رہا۔ لیکن یہ قابل تسلیم ہے کہ متعدد اساتذہ کی کوشش سے اس وقت تک یہ خط بہت کچھ مہذب ہو چکا تھا اور ان خطوط اربعہ میں اس قسم کا فرق ہوگا جیسا کہ لکھنؤ اور دہلی کے استادوں نے ایک ہی خط میں دوائر اور نوک پلک میں مابہ الامتیاز فرق پیدا کر دیا تھا۔

اس کے بعد ابن ندیم نے لکھا ہے کہ اول قرآن شریف جو لکھا گیا وہ خط قیر اموز میں تھا۔ یہ وہی خط تھا، جس سے اہل عجم نے اپنا خط ایجاد کیا ہے۔ لیکن آج ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ قیر اموز کا کیا نمونہ تھا۔ اور اس لفظ کے کیا معنی ہیں۔ اور کون اس کا موجد تھا۔

استاد اسحاق بن حماد کے بعد عبداللہ بن ابی اسحاق حضرمی اور ابو عمر بن علاء (متوفی سنہ ۱۵۴ھ) نامور ہوئے جنہوں نے اس قدیم حیری خط میں اصلاح کی اور حروف کی شان میں حسن پیدا کیا۔ چنانچہ قدیم خط کے مصلح یہی ارکان خمسہ تھے۔

۲۱ خط[1] کوفی کا آغاز

کوفہ[2] اگرچہ زمانہ دراز سے علم خط کا مرکز تھا۔ اور حیرہ کے بعد تاریخی شہرت کوفہ کو حاصل تھی مگر مصطلح خط کوفی اس وقت تک ایجاد نہیں ہوا تھا۔ اس کا آغاز خلیل بن

---

[1] خط کوفی کے مختلف نمونے اس کتاب کے حصہ چہارم کے صفحات ۴۴-۴۵-۴۶ پر ملاحظہ فرمائیے۔

[2] خاک کوفہ اگرچہ بیوفائی میں بدنام ہے۔ لیکن اس کی علمی عظمت سے انکار نہیں ہو سکتا یہ علوم عربیت کا مبدء تھا۔ سب سے پہلی کتاب جو لغت عرب میں خلیل بصری نے لکھی اس کی کتابت کوفہ میں ہوئی۔ عربی عروض اور موسیقی کا آغاز بھی کوفہ سے ہوا۔ سیبویہ جو علم نحو کا پہلا مصنف ہے کوفہ کا تعلیم یافتہ تھا اور یہی شہر فن کتابت کا معلم ہے۔

احمد نحوی موجد علم عروض کے زمانہ سے ہوا۔ یہ عہد مہدی عباسی کا ایک نامور فاضل تھا۔ اس نے قدیم خط کی اصلاح پر سب سے زیادہ توجہ کی۔ اور تکمیل کے درجہ تک پہنچا دیا۔ اور موجودہ واضح اعراب ایجاد کئے۔ اور سنہ ۱۷۰ھ میں خلیل کا انتقال ہوگیا۔ خلیفہ ہارون الرشید (عباسی) اسی سال تخت نشین ہوا تھا۔

خلیل کے بعد علی بن حمزہ کسائی نحوی، استاد ہارون الرشید نے خلیل کے مہذب خط پر غائر نظر ڈالی اور خوش نویسی سے زیادہ اس نے مصوری کی اور قدیم نقاط کی بھی اصلاح ہوئی۔ یعنی ابو الاسود کے نقاط میں سبکی پیدا کی گئی۔ اور قدیم حیری خط میں حسن کتابت کے ساتھ وہ شان پیدا کر دی کہ اس خط کو قبول عام کی سند مل گئی۔ اور اب اس خط کا نام خط کوفی ہوا جو آج تک اسی نام سے مشہور ہے۔[1]

کسائی نحوی خلیفہ مامون الرشید کا بھی استاد تھا جس نے مامون الرشید (عباسی) کو نحو، ادب، قرآت اور علم خط کی تعلیم دی۔ مامون الرشید کے عہد میں علم خط کی بڑی ترقی ہوئی۔ مامون کو قدیم خطاطوں کی وصلیاں جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ اس کے خزانہ میں عہد قدیم کے جملہ خطوں کے نمونے موجود تھے۔

کسائی نے سنہ ۱۸۳ھ میں انتقال کیا۔ اور اس کا اصلاح[2] کردہ خط اس قدر مقبول ہوا کہ اب مصاحف کی کتابت اسی خط میں ہونے لگی۔ اور سب سے زیادہ

---

[1] خط کوفی کا نمونہ کسائی نحوی کے قلم کا لکھا ہوا جو قبۃ الصخرا (بیت المقدس) میں ہے، اس کتاب کے حصہ چہارم کے صفحہ ۴۱ پر ملاحظہ فرمائیے۔

[2] الفہرست صفحہ ۶ مصنفہ علامہ ابن ندیم مطبوعہ بیروت جرمنی۔

یہ خط اہل کوفہ نے پسند کیا۔ اور یہ ان کی خوش نصیبی ہے کہ انہیں کے نام سے خط مشہور ہوا۔ اور کوفہ میں بھی متعدد نامور خطاط ہوئے۔

عہد ہارون الرشید سے عہد معتصم باللہ اور اس کے بعد تک قرآن کریم کے مشہور کاتب حسب ذیل ہیں۔

۱۔ خشنام البصری۔ ۲۔ مہدی کوفی (عہد ہارون الرشید)۔ ۳۔ ابو حدی کوفی (عہد معتصم باللہ)۔ ۴۔ ابن ام شیبان۔ ۵۔ المسحور۔ ۶۔ ابو حمیرہ۔ ۷۔ ابن حمیرہ۔ ۸۔ ابو الفرج یہ (از نمبر ۴۔ لغایت ۸) سب کوفی تھے۔ اور معتصم باللہ کے بعد ہوئے ہیں۔ ابو الحسن اسحاق بن ابراہیم تیمی المقتدر باللہ عباسی کے عہد کا نامور کاتب ہے۔ یہ ابن معدان اور اس کے غلام ابو اسحٰق ابراہیم کا شاگرد ہے۔ رسم الخط پر اس کا ایک رسالہ تحفۃ الموافق یادگار ہے خلیفہ المقتدر اور اس کے بیٹے اسحاق کے شاگرد تھے۔ اس کا خاندان خاندان خوشنویسان تھا خصوصاً اس کا بھائی نامور خطاط تھا۔ اور اسحاق کا بیٹا ابو القاسم اسمٰعیل اپنے باپ کے نقش قدم پر چلتا تھا۔ استاد اسحاق کے علاوہ اس عہد کے نامور خطاط وجہہ النعجہ کے بیٹے اور ابن منیر، زنفلطی اور روایدی ہیں۔ عہد مامون الرشید میں احمد بن ابی خالد، احمد الکلبی، عبداللہ بن شداد، عثمان بن زیاد، محمد بن عبداللہ مدنی، ابو الفضل صالح بن عبدالملک مشہور کاتب ہوئے ہیں۔ علامہ ابن ندیم نے اور نام بھی لکھے ہیں وہ ہم نے طوالت کی وجہ سے قصداً چھوڑ دیئے ہیں۔

کتابت قرآن مجید کے بعد دفتر انشاء کی مراسلت بھی اسی خط میں ہونے لگی۔ اور اس خط سے ایک قسم کا خط اور نکالا گیا جو تیزی سے لکھا جاتا تھا۔

خط کوفی کے قرآن مجید بھی نایاب ہیں۔ لیکن پروفیسر مارگولیوتھ[۱] نے بوڈلین

---

[۱] میں نے اس کا فوٹو حاصل کرنے کے لئے بے انتہا کوشش کی مگر ناکام رہا۔ خدا نے چاہا تو اگلے ایڈیشن میں اس کا فوٹو بلاک شائع کر سکوں گا۔

لائبریری کے ایک نسخہ سے اس کا ایک صفحہ اپنی کتاب "محمد" میں فوٹو کے ذریعہ نقل کیا ہے۔ اس قرآن مجید کے حروف زیادہ واضح اور روشن ہیں لیکن نقاط اور اعراب سے خالی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ عربوں کو اس وقت تک امتیازی علامات کی ضرورت نہ تھی۔ اور غالباً ابوالاسود اور خلیل سے پہلے کی کتابت ہے۔

خط کوفی کب ایجاد ہوا، اس کی نسبت صاحب[1] اعانۃ المنشی کا قول ہے کہ یہ خط بنی اُمیہ کے اخیر عہد اور دور عباسیہ کے آغاز میں جاری ہوا۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ خلافت بنی امیہ میں قدیم حیری خط میں بہت کچھ اصلاح ہو چکی تھی جس کی تکمیل عہد عباسی میں ہوئی۔

۲۲۔ خط کوفی کی مشہور شاخیں

خطاطی اور کاتبوں کی تاریخ سے یہ امر بلا اختلاف ثابت ہے کہ دور حاضرہ میں خط نسخ کے جسقدر بہترین نمونے ہیں انکی اصل کوفی ہے۔ خط کوفی سے عہد ہارون الرشید تک بارہ[2] قلم ایجاد ہو چکے تھے۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ قلم الجلیل	یہ دفتر انشاء کا مخصوص قلم تھا اس خط میں صرف سلاطین کو خطوط لکھے جاتے تھے۔ اور مساجد کے ابواب و محراب کے کتبات بھی اسی قلم میں ہوتے تھے یہ اس عہد کا جلی خط تھا۔
۲۔ قلم السجلات و ۳۔ قلم الدیباج	سجل یعنی قبالہ و دستاویز ہے۔ اور دیباج معرب دیبا کا ہے جو ایک ریشمین کپڑا ہے۔ دستاویزات کے قلم کا نام سجلات ہے۔ یہ دونوں قلم جلیل ہی سے ماخوذ ہیں۔

[1] صبح الاعشیٰ صفحہ ۱۵ جلد ۳ مصنفہ علامہ ابوالعباس احمد قلقشندی ۔ [2] الفہرست صفحہ ۷۔ ۸ و کتاب انتشار الخط العربی تفصیل دوازدہ قلم۔

۴۔ قلم اسطومار الکبیر =	نمبر ۲-۳ کی خاص ترکیب سے قلم طومار پیدا ہوا۔ لفظ کبیر سے ظاہر ہے کہ چھوٹے پیمانہ پر اس کی ایک شاخ اور بھی ہوگی
۵۔ قلم الثلثین =	یہ قلم اور نمبر ۱۲۔ طومار کی شاخیں ہیں۔ دربارِ خلافت سے عمال کے نام اس خط میں مراسلت ہوتی تھی۔
۶۔ قلم الزنبور =	یہ طومار اور ثلثین سے پیدا ہوا ہے۔
۷۔ قلم المفتح =	یہ قلم ثلثین اور سطر بخیلی سے ماخوذ ہوا ہے۔ اس کو خط ثقیل بھی کہتے تھے۔ یہ خوبصورت قلم تھا۔
۸۔ قلم الحرم =	تعلیم نسواں کی ترقی اس درجہ تک ہو چکی تھی کہ خواتین حرم کے نام جو خطوط لکھے جاتے تھے۔ اسکا قلم بھی خاص تھا۔
۹۔ قلم الموامرات =	امرائے دولت میں جب باہمی مناقشات ہوتے تھے اور صلاح و مشورہ کی ضرورت ہوتی تھی تو یہ خط استعمال کیا جاتا تھا۔
۱۰۔ قلم العہود =	سلاطین کے معاہدات اور دیگر دستاویزات کیلئے مختص تھا۔
۱۱۔ قلم القصص =	قصص اور فسانے اس خط میں لکھے جاتے تھے۔
۱۲۔ قلم الخرفاج =	نمبر ۸۔ لغایت نمبر ۱۲۔ یہ سب ثلثین کی شاخیں ہیں۔

اوپر جن کا بیان ہوا یہ سب عربی قلم ہیں۔ اور یہ جملہ بارہ ۱۲ قلم ہیں۔ تیسری صدی ہجری تک یہ سب رائج تھے۔ لیکن جب ابن مقلہ نے چھ ۶ خط ایجاد کئے تو یہ خطوط فنا ہو گئے اسمائے مذکورہ کے علاوہ خط مدبج، خط مرصع[1]، خط رباش، خط رخش، خط بیاض، خط حواشی بھی جاری تھے۔ جو خوشنویسی اور کتابت کلام مجید سے مخصوص تھے۔

[1] خط کوفی مرصع کا نمونہ اسی کتاب کے حصہ چہارم کے صفحہ ۵۳ پر ملاحظہ فرمائیے۔

مامون الرشید کے عہد میں ان جملہ خطوں کے لکھنے والے موجود تھے جنکا تعلق شاہی دفاتر سے تھا۔ افسوس ہے کہ باوجود ہزاروں ورق پلٹنے کے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ ان قلموں کے موجد و معلم کون تھے۔ البتہ قلقشندی نے خطِ ثلث کی کچھ صراحت کی ہے یہ بھی غنیمت ہے۔

صبح الاعشیٰ[۵۱] میں (بروایت ابوجعفر النحاس مصنف (صناعۃ الکاتب) لکھا ہے کہ قلم الثلثین کا موجد ابراہیم (ملقب الشجری) تھا۔ یہ اسحاق بن حماد شامی کا شاگرد تھا۔ یہ ایک ہلکا اور سبک قلم تھا جس میں ہر لفظ کا تہائی حصہ لکھا جاتا تھا اور ثلث و ثلثین میں لفظی مناسبت کے اعتبار سے خفیف سا فرق بھی تھا۔

ابراہیم الشجری کا ایک بھائی یوسف تھا۔ یہ بھی اسحاق کا شاگرد تھا۔ اس نے خط ثلث سے بھی سبک ایک خط ایجاد کیا تھا۔ جس کو فضل بن سہل ذوالریاستین وزیر مامون الرشید نے خاص طور سے پسند کیا تھا۔ اور دفتر انشار کے کاتبوں کو عام ہدایت کر دی تھی کہ جملہ فرامین (توقیعات) اسی خط میں لکھے جائیں۔ اور اس خط کو اپنے نام سے معنون کر کے اس کا نام قلم الریاسی (منسوب بذی الریاستین) رکھا تھا۔

قلم التوقیع سے بھی یہی خط مراد ہے وہ کوئی جداگانہ خط نہ تھا۔ خفی و جلی کے لحاظ سے پھر اس کی کئی شاخیں تھیں۔

قلم الریاسی میں احول محرر نے کچھ اصلاح کی تھی۔ یہ بھی عہد مامون الرشید کا کاتب ہے۔ جو کئی خطوں کا موجد تھا۔ اور برامکہ اس کے سرپرست تھے۔ یہ استاد کامل تھا۔ قلم الریاسی کی جلی و خفی دو قسمیں تھیں۔ احول[۵۲] نے ثلث اور ثلثین ابراہیم الشجری

---

۵۱ صبح الاعشیٰ صفحہ ۱۶ – الفہرست صفحہ ۹ – ۵۲ صبح الاعشیٰ صفحہ ۱۶، ۱۷، [illegible]

سے سیکھا تھا۔ پھر ان دونوں کو ملا کر ایک خط نکالا تھا جس کا نام قلم النصف تھا۔ محمد بن سعدان (المعروف بابی ذرجان) نے اس خط میں کمال حاصل کیا تھا۔ یہ کاتب ط، ظ، ص، اور ض کو نصف لکھا کرتا تھا۔ خط ثلث میں، احول نے معمولی سی اصلاح کر کے خفیف الثلث ایجاد کیا۔ پھر ان تینوں خطوں کو ملا کر ایک خط نکالا جس کا نام المسلسل تھا۔ اس خط کے جملہ حروف متصل تھے۔

احول کے علاوہ خط ثلث کا نامور استاد احمد بن محمد بن حفص (المعروف بزافف) اور دوسرا استاد ابن الزیات تھا۔ یہ ابن طولون (وزیر المعتصم) کے دربار سے متعلق تھا۔ اس کے سامنے کوئی قلم نہیں اٹھا سکتا تھا۔ اور مصر میں طبطب محرر پر علم خط کی سیادت ختم ہو گئی۔ اس کاتب پر اہل بغداد کو بھی رشک تھا۔

قلم مذکورہ بالا کے علاوہ[۱] عہد مامونی میں قلم المرصع، قلم النساخ، مقطوع الحوائجی، قلم رقاع، قلم غبار الحلیہ بھی ایجاد ہوئے۔ بہر حال خط کوفی سے جملہ بیس[۲] قلم نکلے۔ یعنی عہد مامون الرشید کے بعد بارہ[۱۲] قلموں پر آٹھ[۸] قلم کا اور اضافہ ہوا۔

خط کوفی، کتابت قرآن کریم کے سوا کتبات مساجد اور دیگر عمارت میں بھی مستعمل تھا۔ چنانچہ بیت المقدس کی دیوار اور محرابوں پر سلطان صلاح الدین ایوبی نے ۵۸۳ھ جو آیات قرآنی منقش کرائی تھیں وہ سب خط کوفی میں تھیں۔ اور سسلی میں بھی یہی قلم مقبول تھا۔

۲۳۔ خط کوفی کا مصلح اعظم ابن مقلہ

باوجود ان ترقیوں کے زمانہ ابن[۵۲] مقلہ کو یاد کر رہا تھا۔ اس فخر روزگار کاتب کا نام ابو علی محمد بن علی بن حسن بن عبد اللہ

---

[۵۱] قلم المرصع اور قلم النسخ ... کا موجد وزیر ذوالریاستین تھا۔ [۵۲] اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیے۔

(ملقب بہ ابن مقلہ) تھا۔ ابن مقلہ کی ولادت ٢٧٢ھ میں ہوئی۔ عالم شباب میں تکمیل علوم وفنون کے بعد جب اقبال یاور ہوا تو خلیفہ القاہر باللہ عباسی کا وزیر ہوگیا اور جب ادبار آیا تو ہاتھ کے ساتھ زبان بھی قطع ہوئی اور قید کر دیا گیا اور چھپن ٥٦ سال کی عمر میں بحالت قید ٣٢٨ھ میں مرگیا۔

ابوالاسود کے زمانہ سے احول محرر تک اگرچہ خط کوفی غیر معمولی ترقی کر گیا تھا اور اس خط سے تقریباً بیس ٢٠ قلم ایجاد ہو چکے تھے۔ مگر اس خط میں نمایاں شان اور دلفریب حُسن پیدا نہیں ہوا تھا۔ اور اخیر اصلاح ابن مقلہ کا حصہ تھا۔ چنانچہ اس عدیم النظیر خطاط نے کوفی اور معقلی وغیرہ خطوط سے ٣١٠ھ میں خطِ نسخ نکالا۔ جس نے قدیم خطوط پر قلم پھیر دیا۔ اور یہ وہ زمانہ ہے جس میں خط کوفی تقویم پارینہ بن گیا تھا۔ اس کے علاوہ ابن مقلہ نے پانچ ٥ خط محقق، خط ریحان، خط ثلث (ریحانی)، خط توقیع، خط رقاع، وضع کئے۔ یہ خطوط تقریباً پچاس سال

صفحہ ٦٩ کا نوٹ ۵۲ اول ابن مُقلہ خلیفہ القاہر باللہ ابو منصور محمد کا وزیر تھا۔ اور خود ہی قاہر نے وزارت کے لئے انتخاب کیا تھا۔ لیکن ابن مقلہ نے مونس خادم سے سازش کی اور القاہر کے خلاف ہوگیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ افشائے راز کے بعد ابن مقلہ کا گھر جلوا دیا گیا اور وہ فرار ہوگیا اور دوسرے سازشی دیواروں میں چنوا دئے گئے۔ باوجود اس کے القاہر معزول ہوا۔ اور خلیفہ مقتدر کا بیٹا ابوالعباس راضی باللہ خلیفہ ہوا۔ راضی باللہ کو جب ابن مقلہ کی سازشی کارروائی معلوم ہوئی تو مقدمہ کی از سر نو تحقیقات شروع ہوئی۔ اور اتفاق سے خود ابن مقلہ کی ایک تحریر مل گئی جس سے سازش کا ثبوت ہوگیا۔ اس جرم میں راضی نے ہاتھ کٹوا دئے (بعض مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ ہاتھ کے ساتھ ابن مقلہ کی زبان بھی کٹوا دی تھی) اور وزارت سے معزول کر دیا۔ کیونکہ ابن مقلہ عہدِ راضی باللہ میں بھی وزیر ہوگیا تھا۔

تک جاری رہے۔ اس کے بعد ابن بواب کا زمانہ آیا اور ان خطوط کی ترقی ہو کر نئی شان پیدا ہو گئی۔ ابن مقلہ نے کسائی نحوی اور متاخرین خطاطوں کی وصلیوں سے فائدہ اٹھایا تھا۔ اور ابتک خط میں جو خامیاں رہ گئی تھیں۔ اسکی اصلاح کر کے خط[1] نسخ ایجاد کیا تھا۔

موجودہ خوبصورت اعراب ثلاثہ اور جزم، تشدید، اور تنوین، ابن مقلہ کی اختراع ہے۔ اعراب کے ساتھ امتیازی نقاط (ب ت ث وغیرہ) خوبصورتی کے ساتھ عموماً اسی زمانہ سے جاری ہوئے۔

اسلامی دنیا میں خط نسخ اس قدر مقبول ہوا کہ کوفہ کی طرح، خط کوفی بھی فنا ہو گیا۔ عرب اور عجم کے شعراء نے ابن مقلہ کی بڑی مداحی کی ہے۔ اور جب کوئی شاعر خطاطی میں اپنے ممدوح کو بڑھاتا ہے تو وہ ابن مقلہ پر ہاتھ صاف کرتا ہے۔ یہ شعر مشہور ہے۔

محقق ست کہ گر ابن مقلہ[2] زندہ شود
تراشۂ قلمش را بہ مُقلہ بر دارد

اسی طرح اردو میں یاقوت رقم کی نسبت یہ مصرع ہے۔ ع چومتا ہاتھ جو یاقوت رقم خاں ہوتا۔ ابن مقلہ کا انتہائی کمال یہ ہے کہ جب دایاں ہاتھ کٹ گیا تو کہنی میں کھپچی باندھ کر لکھا کرتا تھا۔ اور اس حال میں بھی جو کچھ لکھا وہ لاجواب تھا۔ ابن مقلہ نے ایک خاص روشنائی ایجاد کی تھی جس نے اُس کے خط کو اور روشن کر دیا تھا۔

---

[1] شاہجہاں بادشاہ اور انکی چہیتی بیگم ممتاز محل کے مزارات کی پائنتی (تاج محل آگرہ) جو عبارت ہے وہ خط نسخ میں لکھکر کندہ کیگئی ہے۔ خط نسخ کا نمونہ بذریعہ فوٹو بلاک آیندہ اشاعت میں پیش کیا جائے گا۔

[2] منتخب اللغات۔ لفظ مقلہ بمعنی حلقۂ چشم مع سیاہی و سفیدی۔

ابن مقلہ کے شاگردوں میں محمد بن السمانی۔ اور محمد بن اسد نامور خطاط ہوئے یہ بھی خط نسخ کے استاد تھے۔ ابن مقلہ کا باپ علی بن حسن بھی خوشنویس تھا۔ اور اسکا دوسرا بیٹا ابوعبداللہ حسن بھی کاتب تھا۔ اس کا ۳۳۸ھ میں انتقال ہوا۔ ان باپ بیٹوں کے علاوہ اس خاندان میں حسب ذیل اصحاب خطاط تھے۔

ابو محمد عبداللہ۔ ابوالحسن بن ابی علی۔ ابو احمد سلیمان بن ابی الحسن۔ ابوالحسین بن علی وغیرہ۔ لیکن بقول حاجی خلیفہ* سب کا سرتاج ابن مقلہ تھا۔

۴۲۔ ابوالحسن علی بن ہلال[1] معروف بہ ابن بواب

ابن مقلہ کی وفات سے تقریباً چوراسی[۸۴] سال کے بعد ابوالحسن علی پیدا ہوا۔ اس کا باپ ہلال، امیر بویہ کے دروازہ پر چوکیدار (بواب) تھا۔ چنانچہ اس نسبت سے علی، ابن بواب مشہور ہوا۔ لیکن ولادت کے وقت کس کو خبر تھی کہ ابن ہلال، آسمان شہرت پر بدر کامل ہو کر چمکیگا۔ اور دنیا اس کے نور سے مستنیر ہوگی۔ یہ فخرالدولہ[2] کے دربار میں تھا۔

یہ استاد بھی، ابن مقلہ کا معنوی شاگرد تھا۔ کیونکہ اس نے سمسانی اور محمد بن اسد کی شاگردی کی تھی۔ اس لئے ابتدائی شان خط ابن مقلہ کی تھی۔

مورخ ابن خلکان اور امام یافعیؒ کا فیصلہ ہے کہ متقدمین اور متاخرین میں سے کوئی کاتب ابن ہلال کے درجہ تک نہیں پہنچا۔ کوفی سے ابن مقلہ نے اگرچہ نسخ ایجاد کیا تھا۔ لیکن اس کی تہذیب اور حسن و جمال کا سہرا ابن ہلال کے سر رہا۔ اور اپنے فن میں یہ منفرد اور یکتا تھا۔ اور تنقیح و تنظیف میں ابن مقلہ فوق لیگیا تھا۔

---

[1] ابن خلکان حالات ابن بواب و صبح الاعشیٰ صفحہ ۱۷ و الفہرست صفحہ ۹ ۔ [۳] بمعنی روشن۔ غیاث

[2] دوسری روایت بہاؤالدولہ بن بویہ۔ ابن خلکان میں ملاحظہ ہو۔ *مصنف کشف الظنون

یہ خطاط ۴۱۳ھ / ۱۰۲۳ء میں بمقام بغداد فوت ہوا۔ آج دنیا میں جہاں جہاں سے جہاں تک خط نسخ جاری ہے۔ جملہ خطاط ابن مقلہ اور ابن بواب کے مرہون منت ہیں۔ ابن بواب کے شاگرد حسب ذیل ہیں۔

۱۔ شیخ زادہ احمد سہروردی غرہ محرم ۶۹۲ھ میں فوت ہوئے۔ ۲۔ مولینا یوسف شاہ مشہدی۔ ۳۔ مولینا مبارک شاہ زریں قلم۔ ۴۔ ارغون کابلی۔ ۵۔ میر یحیی ۶۔ میر حیدر۔ ان کے علاوہ ابن بواب[۵] کا مشہور شاگرد محمد بن عبد الملک بھی تھا۔ اور محمد سے ایک خوش نصیب خاتون زینب (ملقب بہ شہدہ) نے استفادہ کیا زینب کا شاگرد امین الدین یاقوت تھا۔ اور یاقوت کا شاگرد ولی عجمی مشہور ہوا پھر عجمی سے عفیف نے فیض حاصل کیا۔ اور عفیف نے اپنے بیٹے شیخ عماد الدین کو تعلیم دی۔ شیخ عماد الدین اپنے زمانہ کے دوسرے ابن بواب تھے۔

شیخ عماد[۶] کے شاگردوں میں شمس الدین بن ابی رقیبہ تھا۔ یہ فسطاط (قاہرہ) میں محتسب کی خدمت پر مامور تھا۔ شمس الدین نے بھی ایک شاگرد تیار کیا تھا جو اس کا ہمنام (شیخ شمس الدین محمد بن علی زفتاوی) تھا۔

مصری خوش نویسوں میں اس سلسلہ کا اخیر شاگرد شیخ زین الدین شعبان بن محمد بن داؤد الآثاری ہوا۔ یہ بھی محتسب تھا۔

---

[۵] صبح الاعشیٰ صفحہ ۱۸۔ مصنفہ علامہ ابو العباس احمد قلقشندی۔ مطبوعہ مصر۔

[۶] ۔ اس نام کا ایک کاتب عماد جوینی ملقب بہ فخر الکتاب بھی ہے۔ اس نے ۵۸۲ھ میں انتقال کیا یہ پہلے نور الدین زنگی اور بعد میں سلطان صلاح الدین کا کاتب ہوا۔ یہ خط نسخ کا آخری خوش نویس مانا جاتا ہے۔ کتاب خریدہ اسی کی تصنیف ہے۔ چونکہ محمد بن عبد الملک کے شاگردوں کا سلسلہ مصر سے تعلق رکھتا ہے لہٰذا عماد جوینی اور ... صلاح الدین دو جداگانہ اصحاب ہیں۔

شیخ زین الدین نے مصر سے مکہ معظمہ اور یمن تک سفر کیا۔ پھر یمن سے ہندوستان آئے اور کچھ مدت قیام کرکے مکہ معظمہ لوٹ گئے۔ ممکن ہے کہ ہندوستان کے قیام میں شیخ زین الدین سے ہندوستانیوں نے فائدہ حاصل کیا ہو۔ ابن بواب کے بعد نسخ کے باکمالوں میں دو[2] یاقوت مشہور و معروف ہیں۔ اور یہ دونوں آسمانِ شہرت کے روشن ستارے ہیں۔

پہلا یاقوت امین الدولہ ابو الدر یاقوت بن عبداللہ ملکی موصلی تھا۔ یہ ملک شاہ ثانی سلجوقی کے دربار میں تھا۔ اسی نسبت سے یاقوت الملکی مشہور ہے ۶۱۸ھ/۱۲۲۱ء میں بمقام موصل فوت ہوا۔ دوسرا یاقوت بن عبداللہ الرومی الحموی ہے جس نے ۶۲۶ھ میں انتقال کیا۔ اور تیسرا یاقوت بن یاقوت بن عبداللہ رومی المستعصمی ہے جو ابو المجد خواجہ عماد الدین رومی کے بھی نام سے مشہور ہے۔ یہ خلیفہ مستعصم باللہ عباسی اخیر خلیفہ بغداد کے زمانہ میں تھا اس لیے مستعصمی مشہور ہوا۔ یہ خط نسخ کا اخیر امام تھا جس پر اس فن کا خاتمہ ہوگیا۔ اور ۶۹۸ھ/۱۲۹۹ء میں فوت ہوا۔ اس کا لکھا ہوا قرآن مجید[1] نواب شاہزادہ سعید الظفر خان بہادر بھوپال کے کتب خانہ میں موجود ہے یہ بھی نوادرات سے ہے۔ اس کے محاسن دیکھنے پر موقوف ہیں۔

۲۵۔ خط نسخ کی قلمیں

دوازدہ قلموں کے بعد علامہ قلقشندی نے چھ نئے قلم اور لکھے ہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ نسخ کی شاخیں ہیں۔ اور ابن مقلہ کی اصلاح کردہ ہیں۔ تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ طومار کامل | یہ فرامین شاہی کا قلم تھا۔

---

[1] یہ قرآن شریف پیرزادگان مارہرہ شریف کے کتب خانہ میں تھا وہاں سے بھوپال کے کتب خانہ میں داخل ہوا ہے۔ میں نے اس کے ایک صفحہ کا فوٹو حاصل کرنے کی کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔

۲۔ مختصر الطومار	خلفاء کے خطوط بیگمات حرم کے نام اس خط میں لکھے جاتے تھے۔ اس کی دو شاخیں تھیں ثلث۔ محقق۔ بلاد شرقیہ میں ہنوز جاری ہے۔ یہ ایک صفحہ پر لکھا جاتا تھا۔ اور یہ طومار کی مقررہ پیمائش ہے۔
۳۔ ثلیث	یہ بھی طومار کی شاخ ہے۔ ثقیل و خفیف اسکی دو قسمیں تھیں۔
۴۔ توقیع	یہ تین شاخوں پر تقسیم تھا۔ (یہ دراصل قلم الریاسی ہے)
۵۔ رقاع	چھوٹے پرزوں اور رقعوں پر لکھا جاتا تھا۔ اس لئے رقاع مشہور ہوا۔ افسانے بھی اسی خط میں لکھے جاتے تھے۔
۶۔ غبار یا قلم الجناح	حد سے زیادہ باریک تھا۔ اور ایک پرزہ پر لکھکر نامہ بر کبوتر کے بازو سے باندھ دیا جاتا تھا۔

مختصر الطومار، ثلث، خفیف الثلث، توقیع اور رقاع یہ پانچوں قلم دفتر انشاء میں مراسلت شاہی سے مخصوص تھے۔

خاندان مملوک (سلاطین مصر) کے زمانہ میں ان خطوط کی بڑی ترقی ہوئی۔

جب مملوک کے جانشین آل عثمان ہوئے تو انہوں نے اور ترقی کی۔

ان چھ قلموں کے استاد حسب ذیل ہیں:

ابن مقلہ، ابن البواب، یاقوت مستعصمی، عبداللہ ارغونی، عبداللہ صاف، یحیی صوفی، شیخ احمد سہروردی، مبارک شاہ سیوفی، مبارک شاہ قطب، اور اسداللہ کرمانی۔

بلاد روم میں جو مشاہیر خطاط گزرے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

حمید اللہ بن شیخ الاماسی، دودہ (?) چلپی بن حمداللہ، ملا جلال، احمد قرہ حصاری، اور حمداللہ کے نامور شاگرد حسن، عبداللہ الاماسی، اور عبداللہ قریمی۔

علامہ قلقشندی نے حروف مفرد کی کتابت اور ان کے جوڑ و پیوند پر (مع نظائر) تقریباً پچیس صفحات لکھے ہیں۔ شائقین کتابت اصل کتاب کی طرف رجوع کریں۔

چونکہ یونانی اور لاطینی زبانوں کا اوپر ذکر آچکا ہے اس لئے اب ہم السنہ ستھیا، السنہ سیلٹک، السنہ یونانی، السنہ لاطینی کی مختصر تاریخ لکھتے ہیں۔ جو ناظرین کے لئے خالی از دلچسپی نہ ہوگی۔

۲۶۔ السنہ ستھین Scythian یا اہل ستھیا کی زبان

پیشتر اس کے کہ لاطینی اور یونانی زبانوں کے متعلق کچھ بیان کیا جائے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اہل ستھیا اور انکی زبانوں کے متعلق کچھ لکھا جائے کیونکہ یہ لوگ وسط ایشیا سے آئے اور یورپ میں آباد ہوئے اس لئے اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ یونانی اور لاطینی زبانوں پر اہل ستھیا کی زبان کا بہت بڑا اثر ہوا۔ کسی زمانہ میں اہل ستھیا مصر سے دریائے گنگا (ہندوستان) تک اور بحیرہ عرب سے کیسپین جھیل (بحیرہ خضر) تک حکومت کرتے رہے ہیں۔

بعض کا یہ خیال ہے کہ اہل تھریس دراصل یہی لوگ ہیں کیونکہ انکی اور انکی زبان بہت کچھ ملتی جلتی ہے۔ مگر یہ خیال بعض محققین کے نزدیک درست نہیں کیونکہ ان کا یہ خیال ہے کہ دو زبانوں کے بعض لفظوں کا ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہونا اس بات کی نشانی تو ضرور ہے کہ ان دونوں قوموں کے آپس میں تعلقات تھے لیکن اسکا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ ایک قوم دوسری سے پیدا ہوئی ہے۔ اہل ستھیا کی حکومت بالکل وحشیانہ تھی لیکن اس زمانہ کی حکومتوں کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ سوائے مصر کے اور کوئی بھی قوم ان سے زیادہ مہذب نہ تھی۔

۲۷- السنہ سیلٹک
Celtic

سیلٹ ایک بہت بڑی قوم تھی جو کہ یورپ کے جنوب مغربی حصے میں مدت تک آباد رہی۔ کہا جاتا ہے کہ یورپ کی اکثر زبانیں سیلٹک زبان سے نکلی ہیں۔ لیکن اکثر محققین کا خیال یہ ہے کہ سیلٹک زبان کے بولنے والے چونکہ غیر مہذب اور غیر متمدن لوگ تھے اس لئے یورپ کی مہذب اور متمدن زبانیں (یونانی، لاطینی) کسی طرح بھی اس زبان سے نہیں نکلیں۔ سیلٹک زبان کا بہت کچھ حصہ ابتک دنیا کی بعض کتابوں میں باقی ہے۔ اس کے مطالعہ اور تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ اس زبان کا بہت کم یورپ کی زبانوں پر اثر ہے۔ ان کی ابتدا کے متعلق بہت کچھ بحث کی گئی ہے اور نہیں پتہ چلتا کہ ان کی ابتدا کہاں سے ہوئی۔ قدیم یونانی محقق تمام مغربی یورپ کی رہنے والی قوموں کو سیلٹ کہتے چلے آئے ہیں۔ بعض کا یہ بھی خیال ہے کہ سیتھین ہی سیلٹ تھے۔ بہرصورت معاملہ کچھ بھی ہو مگر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ یورپ کے مغرب میں آباد تھے اور آخر کار یہ لوگ اہل روما اور اہل جرمنی[1] کے قبضہ میں آکر فنا ہو گئے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی زبان کے بہت سے الفاظ لاطینی اور ٹیوٹانک زبانوں میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ لوگ کسی زمانہ میں ایشیائے کوچک میں رہے ہوں لیکن وہ زمانہ کہ جس سے ان کے متعلق تاریخ میں لکھا گیا ہے ان کو دوسری قوموں سے رسم و رواج اور طرز حکومت میں بالکل الگ دکھاتا ہے۔ بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ یونانی اور لاطینی زبانوں میں چونکہ سیلٹک زبان کے لفظ پائے جاتے ہیں اس لئے یہ زبانیں درحقیقت سیلٹک زبان سے ہی نکلی ہیں۔ بخلاف ان کے دوسرے محقق یہ کہتے ہیں کہ وہ زبانیں جو لاطینی زبان سے نکلی ہیں ان میں ٹیوٹانک زبان کے بہت

---

[1] جرمنی السید اس کتاب کے حصہ چہارم کے صفحہ ۳۱ پر ملاحظہ فرمائیے۔

سے الفاظ پائے جاتے ہیں جسطرح اسپین کی زبان میں عربی کے الفاظ بکثرت پائے جاتے ہیں۔ یا موجودہ یونانی زبان میں ترکی زبان کے الفاظ بکثرت پائے جاتے ہیں۔ یا فارسی زبان میں عربی زبان کے الفاظ موجود ہیں۔ ان کے دیکھنے سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا ہے کہ اہل اسپین کی زبان عربی سے نکلی ہے یا فارسی عربی سے یا موجودہ یونانی ترکی زبان سے۔ زیادہ سے زیادہ یہی ثابت ہوسکتا ہے کہ یہ دونوں زبانیں جنکے الفاظ آپس میں ملتے جلتے ہیں ان کے بولنے والے آپس میں کسی زمانہ میں ایک ہی جگہ رہے ہیں۔ یہ کسی طرح ثابت نہیں ہوتا کہ ایک زبان دوسری زبان سے نکلتی ہے۔ اسی طرح کسی زبان میں سیلٹک الفاظ کا موجود ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہوسکتی کہ وہ زبان سیلٹک سے نکلی ہے۔

دوسرے محققین کا یہ خیال ہے کہ جسطرح نئی زبان دو قوموں کے ملنے سے پیدا ہوتی ہے اسی طرح ممکن ہے کہ یورپ کی اکثر زبانیں اہل سیتھیا اور سیلٹ اور اہل روما کے ملنے سے بنی ہوں جسطرح اردو زبان کئی زبانوں کے ملاپ سے بنی ہے

۲۸۔ السنہ یونانی[1]
Greek

گذشتہ ابواب سے یہ معلوم ہوچکا ہوگا کہ یونانی زبان[2] کی پیدائش کے متعلق محققین کے دو خیال ہیں۔

۱۔ یونانی زبان کی اصل سیتھین یا سیلٹک ہے۔

۲۔ یونانی زبان سیتھین یا سیلٹک زبان سے نہیں نکلی بلکہ اس کی ابتدا ایک ایسی زبان سے ہوئی ہے جن کا وجود دنیا میں باقی نہیں رہا۔ اس کی دلیل وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ جو فصاحت و بلاغت، لوچ اور خوبصورتی یونانی زبان میں موجود ہے

[1] یونانی اُن آٹھ زبانوں میں سے ہے جن سے تمام یورپ کی زبانیں پیدا ہوئی ہیں۔

[2] یونانی قدیم وجدید کی ابجد اس کتاب کے حصہ چہارم کے صفحہ ۳ پر ملاحظہ فرمائیے۔

وہ ستھیمن اور سیلٹک میں نہیں پائی جاتی۔
جدید نظریہ یہ ہے کہ یونانی زبان اٹالین سے نکلی ہے لیکن یہ قطعی فیصلہ نہیں ہوا ہے۔

بعض کا خیال ہے کہ اہل یونان پلاسجین (یہ ایک وحشی قوم یورپ کے وسط میں آباد تھی) فنیقی اور مصریوں کے ملاوٹ سے بنے ہیں۔ مگر دوسرے محققین کی یہ رائے ہے کہ تجربہ یہ بتاتا ہے کہ غیر مہذب قومیں بالکل غیر مہذب زبان بولتی چلی آئی ہیں۔ اور اس بات کے ثابت کرنے کیلئے کوئی بھی کوشش نہیں کی گئی کہ مخلوط اور غیر مہذب زبان اس قدر صفا ہو گئی ہو کہ وہ ہومر (یونان کا مشہور شاعر) کی فصیح و بلیغ یونانی زبان کی صورت میں تبدیل ہو گئی ہو بہرصورت یہ معاملہ زیر بحث ہی ہے کہ اہل یونان کی اصلیت کیا ہے کیونکہ ٹرائے کی لڑائی (Trojan war) سے پہلے کے واقعات بہت کم معلوم ہیں کہا جاتا ہے کہ بہت زمانہ ہوا جب پلاسجی قوم (Plasgi) تمام یونان میں آباد تھی اور انہی لوگوں کی وجہ سے یونان کا نام پہلے پلاسجیہ تھا۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تھسلی کے بادشاہ ڈیوکیلین (Deucalion) کے یہاں ایک لڑکا ہیلین نامی پیدا ہوا۔ یہ لڑکا گو کہ پلاسجی قوم میں ہی جوان ہوا لیکن کہا جاتا ہے کہ وہ کوئی اور زبان بولتا تھا جو کہ اہل پلاسجیہ سے بالکل مختلف تھی۔ اور آخر کار اس نے پلاسجی قوم کو یونان سے نکال دیا۔ یہ تو ممکن ہے کہ اس نے اس قوم کو یونان سے نکالدیا ہو لیکن یہ کسی طرح بھی باور نہیں ہو سکتا کہ وہ اُن میں رہ کر اور انہی میں جوان ہو کر کوئی علیحدہ زبان بولتا ہو۔ اس کی اولاد جو زبان بولتی تھی اس زبان کا نام "ہیلینک" (اپنے باپ کے نام پر) ہے یہ واقعہ حضرت مسیحؑ سے چھ سو سال قبل کا ہے اس قوم میں کیدمس (Cadmus) نامی پہلا شخص ہے جس نے یونانی زبان کی ابجد ایجاد کی یا یوں کہا جا سکتا ہے کہ یہ شخص یونانی رسم التحریر

کا بانی ہے مگر یہ شخص یونانی نہ تھا۔ لیکن بعض دوسرے یہ کہتے ہیں کہ یہ خیال درست نہیں کیونکہ یونانی زبان میں سولہ[16] یا چوبیس[24] حروف پائے جاتے ہیں اور عربی میں اٹھائیس[28] اور ہماری زبان میں بائیس[22]۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک شخص جو بائیس[22] یا اٹھائیس[28] مختلف آوازیں جانتا ہو وہ دوسری جگہ اگر سولہ[16] آوازوں تک ہی اپنے آپ کو محدود رکھے۔ پھر ایک دوسرا فرق یہ ہے کہ عربی زبان میں یا ہماری زبان میں زیر، زبر اور پیش ظاہر کرنے کے لئے حروف نہیں۔ حالانکہ یونانی زبان میں ایسے سات حروف موجود ہیں جو اعرابوں کی حالت ظاہر کرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ایسا ہو کہ سولہ[16] آوازوں والی زبان تو اصل ہو اور بائیس[22] یا اٹھائیس[28] آوازوں والی زبان اس سے نکالی گئی ہو۔ بہر صورت ان بحثوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہومر کی زبان (قدیم یونانی) ایشیائے کوچک کے رہنے والوں سے لی گئی ہے اور یہاں کے رہنے والے بھی انہی کی اولاد میں سے ہیں۔ یونان، ایشیائے کوچک اور تھریس میں ایک ہی قوم آباد تھی۔

بعض[1] محققین کا یہ خیال ہے کہ سنسکرت اور یونانی زبانوں کے نکاس کا ایک ہی منبع ہے۔ مگر تعداد حروف کے اعتبار سے جو ان ہر دو زبانوں میں کمی بیشی کا سوال ہے وہ غور طلب ہے۔

۲۹۔ السنہ لاطینی[2] لاطینی زبان یونانی زبان سے نکلی ہے۔ اور اطالوی علاقہ (اٹلی) کی تمام زبانیں لاطینی سے نکلی ہیں۔ بعض کا یہ خیال ہے کہ لاطینی زبان شمالی علاقہ کے باشندوں سے نکلی ہے۔ کیونکہ اکثر

---

[1] دی اسٹوری آف دی الفابٹ۔ مصنفہ ایڈورڈ کلاڈ۔

[2] لاطینی ابجد اس کتاب کے حصہ چہارم کے صفحہ ۳۶ پر ملاحظہ فرمائیے۔

الفاظ اس زبان کے ایسے ہیں کہ جو یونانی زبان سے نکلے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ مگر بہت سے ایسے بھی ہیں جو یونانی نہیں بلکہ وہ ان زبانوں کے ساتھ رشتہ ناتہ رکھتے ہیں جو ٹیٹانک زبان سے تعلق رکھنے والی ہیں۔ اسی طرح بعض الفاظ ایسے بھی پائے جاتے ہیں جن کے متعلق شبہ ہے کہ وہ سنسکرت زبان کے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ اطالیہ (اٹلی) میں پلاسجی قوم آباد تھی اور یہ وہی لوگ ہیں یا ان کے بھائی بند ہیں جو یونان میں بہت عرصہ تک آباد رہے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد لیڈیا کے باشندوں نے اطالوی علاقہ پر حملہ کر کے خود دخیل اور آباد ہو گئے۔ یہ اپنے ملک کی زبان بولتے تھے۔

اہل[1] لیڈیا کے میل جول سے ایسی زبان پیدا ہوئی کہ جس سے لاطینی اور یونانی زبان وجود میں آئی۔ اس زبان کا نام ہیٹروریَن[2] (Hetrurian) تھا۔ اور اس زبان کے الفاظ اب دنیا میں بہت کم موجود ہیں۔ اس زبان کے حروف یونانی اور لاطینی سے ملتے جلتے ہیں۔

لاطینی اور یونانی زبان کسی ایسی زبان سے نکلی ہوئی معلوم ہوتی ہیں جو زبان پہلے ایشیائے کوچک میں مروج تھی۔ کیونکہ ہیٹروریہ کی زبان کے بعض الفاظ لاطینی زبان سے ملتے جلتے ہیں۔ لیکن اس زبان کی پوری قواعد یا خود پوری زبان کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے ہم یہ صحیح اندازہ نہیں لگا سکتے کہ لاطینی زبان ہیٹروریہ سے نکلی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ زبانیں (یعنی ہیٹروریہ کی اور لاطینی زبان) کسی اور زبان سے

---

[1] ریسرچ چیز انٹو دی اوریجن اینڈ ایفنیٹی آف دی پرنسپل لنگویجیز۔ مصنفہ لفٹنٹ کرنل ونیس کنیڈی۔ مطبوعہ لندن ۱۸۲۸ء

[2] ہیٹروریہ کی ابجد اس کتاب کے حصہ چہارم کے صفحہ ۳۱۳ پر ملاحظہ فرمائیے۔

نکلی ہوگی۔ کہا جاتا ہے کہ لاطینی زبان پر اَیولک (Aeolic) زبان کا بہت بڑا اثر ہے۔ لیکن یہ کوئی نہیں بتاتا کہ ایولک زبان کے بولنے والے کبھی اُن علاقوں میں گئے ہوں جہاں کے باشندے لاطینی یا ہیٹرریہ کی زبان بولنے والے تھے یونانی اور لاطینی زبانوں کے اصول لغت کو دیکھتے ہوئے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لاطینی زبان یونانی سے نہیں نکلی بلکہ کسی زمانہ میں دونوں ایک ہی تھیں۔ کیونکہ یہ دونوں زبانیں الفاظ میں تو مختلف ہیں مگر اصول قواعد کے لحاظ سے یکساں ہیں۔ اور اکثر دیکھا گیا ہے کہ قواعد کے اصول تبدیل نہیں ہوتے زبان میں خواہ کسی قسم کا فرق پیدا ہو جائے۔

علم الحروف

یا

تحقیقات ماہر

حصہ دوم

حکیم محمود علی خاں۔ ماہر
اکبر آبادی ثم دہلوی

حصہ دوم

۳۰۔ خطوط ممالک ایران یا عجم

آغاز کتابت سے خطوط نسخ کی تکمیل تک (رسم الخط) کی مکمل تاریخ ہم لکھ چکے ہیں۔ اب ممالک ایران یا عجم کے خطوط کی مختصر تاریخ لکھتے ہیں۔ اگر زمانہ نے فرصت دی اور علمی سرمایہ مکمل ہو گیا تو ہندوستان کے خطوط (سنسکرت اور اس کی شاخیں) کی مکمل تاریخ جداگانہ لکھیں گے۔ البتہ اس کتاب میں ہندوستان کی مروجہ زبانوں کی جس قدر ابجدیں بہم پہنچ سکیں درج کر دی گئی ہیں۔ اور بعض ابجدوں پر مفید اور ضروری نوٹ بھی لکھ دئے ہیں۔

۳۱۔ تحقیق لفظ ایران

ایران (اے ران) کا تلفظ زردشت کی مذہبی کتاب اوستا میں " اے ریانہ " ہے یہ لے ری انثر (اری۔ یا اے ریا) قوم کا ملک تھا۔ جو سنسکرت کے قدیم لہجہ میں آریا ہے۔

حدود ایران میں بکٹریہ (بلخ) سغد، خوارزم اور افغانستان تک شامل تھا۔ اور فارس ایران کا ایک صوبہ تھا۔ جس کے نام سے آج تمام ملک فارس (پرشیا) کہلاتا ہے۔ لیکن لفظ فارس (پرشیا) میں وہ وسعت نہیں ہے جو ایران میں ہے۔

عرب نے اپنی زباندانی کے غرور میں اس ملک کا نام عجم رکھا ہے۔ جو تمام ایران پر حاوی ہے۔ اس ملک میں لوازمہ تمدن سے سب ہی کچھ موجود تھا۔

۳۲۔ ایران کی مختصر تاریخ

ایران کی تاریخ[1] گیومرث (گیومرتیہ) سے شروع ہوتی ہے۔ جس کو ایرانی یا زردشتی اپنے ملک کا ابو البشر یا آدم تسلیم کرتے ہیں۔ یہ ملک کا پہلا بادشاہ بھی تھا۔ اس کا لقب گل شاہ (ملک الطین) تھا۔ فارسی میں مٹی کو گل کہتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ گیومرث آغاز حکومت میں خدا کی زمین کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ اور دنیا آثار تمدن سے خالی تھی۔ یہ بادشاہ پہاڑ پر رہتا تھا، تیندوے کی کھال کا لباس پہنتا تھا چنانچہ اسی عہد میں آہستہ آہستہ تہذیب و تمدن کی بنیاد پڑی اور اس کے جانشینوں نے ایرانی تہذیب کو اوج کمال پر پہنچا دیا۔

مورخین ایران نے اپنے ملک کی تاریخ کو آٹھ دوروں پر تقسیم کیا ہے مضمون زیر بحث میں ہم کو ذیل کے چھ[2] طبقات سے بحث ہے اور ان ادوار میں جسقدر علمی ترقی (مخصوص فن کتابت) ہوئی ہے اس کو نہایت اختصار سے بیان کریں گے تاکہ یہ تاریخی مضمون ذہن نشین ہو جائے۔

۳۳۔ طبقات[2] حکومت

۱۔ آشوری دور

حضرت مسیح علیہ السلام سے ایک ہزار یا اس کے قبل کا زمانہ جرمنی محقق اسپیگل کی رائے کے مطابق آشوری دور ہے اس عہد میں پیکانی (میخی)[3] خط جاری تھا۔ چنانچہ اس سے قبل کی فارسی ابجد

---

[1] مفتاح العلوم خوارزمی صفحہ ۹۸۔

[2] تاریخ ادبیات ایران مصنفہ پروفیسر ایڈورڈ براؤن۔

[3] پیکانی یا میخی ابجد اس کتاب کے حصہ چہارم کے صفحہ ۹۳ پر موجود ہے۔

ہیں چونؔ حروف یا علامتیں تھیں۔ اور آشوری، تصویری خط تھا۔ جو قدیم چینی یا مصری خطوط کے رسم الخط سے مشابہ تھا۔

۲۔ میڈوی دور

یہ سنہ ق۔م کا دور ہے۔ میڈی کا ماخوذ میڈیا ہے اس ملک سے ایران کا مغربی علاقہ مراد ہے جسکا صدر ہمدان (اکتبانہ، ھگ متانہ) تھا۔ اس دور کا تاریخی سرمایہ تلف ہو چکا ہے البتہ محققین نے قیاسات سے کام لیا ہے۔ میڈیا والوں کی زبان قدیم فارسی سے ملتی جلتی تھی جواب مفقود ہے۔ اس کے کتبات درجہ دوم کے پیکانی خط میں تھے (یہ خط نشا سہہ حروف میں تین قسم کا تھا)۔

۳۔ ہخامنشی (اے کی می نی آن) یا قدیم ایرانی دور

میڈوی دور کے بعد جنوبی ایران (اہل فارس) کے باشندوں نے اس ملک پر قبضہ کر لیا تھا ان کا عہد حکومت سنہ ۵۵۹ ق۔م سے سنہ ۳۳ ق م تک رہا۔ جس کا آغاز سائرس کی حکومت سے ہوا تھا۔ خاک پارس کا یہ پہلا زبردست خاندان تھا جس کے نام سے یورپ لرزتا تھا۔ ایران کے پیشدادی اور کیانی سلاطین اسی خاندان سے تھے۔ جس کے اخیر فرمانروا، دارائے اعظم کو سکندر نے شکست دیکر ایران کو تباہ کر دیا۔ چنانچہ کوہ بیستون (بے ہی ستون) اور نقش رستم[1] کے کتبات میں ان کے کارنامے درج[2] ہیں۔ اور قریب قریب یہ سب پیکانی خط میں ہیں جن کی زبان قدیم فارسی یا اوستائی ہے۔ ان کتبات میں فرامین، اعلانات اور احکام شاہی کندہ ہیں۔

---

[1] نمونہ خط الحی نقش رستم اس کتاب کے حصہ چہارم کے صفحہ ۲۴ پر موجود ہے۔

[2] کتاب قدیم نقش ایران مطبوعہ بمبئی میں یہ جملہ کتبات موجود ہیں۔

یہ کتبات اگرچہ طویل ہیں۔ مگر رسم خط اور طرز بیان یکساں ہے۔ اور جملہ الفاظ چار سو ہیں جو الٹ پلٹ کر آتے ہیں۔ ان کتبات کی زبان کا نام قدیم فارسی ہے۔

۴۔ طوائف الملوکی سکندر اعظم کے حملہ کے بعد ایران میں طوائف الملوکی ہو گئی اور قومی حکومت دوبارہ ساسانیوں سے قائم ہوئی۔ یہ عہد ۳۳۰ ق م سے ۲۲۶ء تک رہا جس کو اصطلاح تاریخ میں وقفہ کہتے ہیں۔ اس دور کے حالات شاہنامہ فردوسی میں اشکانیان کے نام سے تحریر ہیں۔

پچھلے ہر سہ دور (پارتھیا، میڈیا، پرشیا) کے باشندے جب متفقہ طور پر ایک قوم بن گئے تو ان کی مشترکہ زبان بھی فارسی رہی۔

مورخ اسٹریبو یونانی (متوفی ۲۳ ق م) کے زمانہ تک ملک کی زبان ایک ہو چکی تھی۔ اور قدیم کتابت باقی تھی۔

۵۔ ساسانی دور یہ زمانہ ۲۲۶ ق م سے شروع ہو کر ۶۵۲ء پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس حکومت کا بانی اردشیر (ارتخشتر بن پاپک) تھا جس نے زردشتی مذہب کو بھی دوبارہ فروغ دیا۔ بہرام، نوشیرواں، خسرو پرویز اس خاندان کے نامور شہنشاہ تھے جس کا اخیر بادشاہ یزدگرد تھا جو اخیر ۶۵۲ء (مطابق ۳۱ھ) میں قتل ہوا۔

اس عہد کی زبان ایک قسم کی متوسط فارسی تھی جس کو عموماً پہلوی[1] کہا جاتا ہے۔ اس میں تقریباً چھ لاکھ اٹھائیس ہزار (۶۲۸۰۰۰) الفاظ ہیں۔ لیکن زبان کے مقابلہ میں پہلوی کا اطلاق رسم الخط پر زیادہ چسپاں ہے۔ پہلوی سرکاری زبان تھی۔

سلاطین طبقہ سوم کی تقلید میں ساسانیوں نے بھی کتبات لکھوائے ہیں۔

---

[1] اس کتاب کے حصہ چہارم کے صفحہ ۳۴ پر ملاحظہ فرمائیے۔

جس کے آثار نقش رستم میں موجود ہیں۔ پہلوی خط میں یہاں صرف دو کتبے موجود ہیں اور بعض کتابات اضطخی میں ہیں۔[1]

خط پہلوی کا ماخذ بھی خط مسماری تھا۔ اور یہ گویا خط شکستہ تھا جس کی تصدیق اس کتاب کے حصۂ چہارم کے صفحہ انتالیس ۳۹ کے فوٹو بلاک سے ہوتی ہے

۶۔ عہد اسلام خلافت فاروقی میں ایران پر اسلامی قبضہ ہوا۔ جس پر آج فخر عجم اعلیٰ حضرت رضا شاہ پہلوی (خلد اللہ ملک) فرمانروا ہیں۔

اسلامی قبضہ سے ایک صدی تک پہلوی جاری رہی۔ اس کے بعد زبان اور خط میں انقلاب آگیا۔ یہ انقلاب بھی اس قسم کا تھا جس طرح مصر پر اسلامی قبضہ سے قدیم زبان اور خط میں فرق آگیا تھا۔ یعنی عربی زبان، تصنیف و تالیف اور تحریر و تقریر میں دخیل ہوگئی تھی۔ جس کا اندازہ رودکی شاعر کے کلام سے ہو سکتا ہے۔

۷۔ ایران قدیم کا رسم الخط تمہید مندرجہ بالا سے ظاہر ہے کہ آشوری دور سے اخیر ساسانی دور تک خط مسماری کا ایران میں رواج رہا۔ چنانچہ مورخین عرب بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ایران میں ایک ہزار سال قبل مسیح سے کتابت جاری تھی۔ اور پیشدادی طبقہ میں عہد ہوشنگ سے کتابت کا آغاز ہوا۔ اور اس نے اپنے سیاسی احکام کا مجموعہ مرتب کرایا تھا جس کی جمشید نے بھی تقلید کی۔ اور عہد فریدوں میں کتابت کی بہت زیادہ ترقی ہوئی چنانچہ جب فریدوں نے اپنے بیٹوں سلم، تور، اور ایرج میں سلطنت تقسیم کی تو ایک دستاویز لکھی گئی جس میں ہر حصہ دار کے ملک منقسمہ کی تفصیل تھی۔ اسی طرح جب منوچہر نے تور کو قتل کر دیا تو فریدوں کو ایک مفصل خط لکھا گیا فردوسی نے یہ تمام واقعات اس طرح قلمبند کیے ہیں۔

[1] ایران کی قدیم و جدید ایجاد اس کتاب کے حصہ چہارم کے صفحہ ۴۳ پر ملاحظہ فرمائیے۔

بشاہ فریدوں یکے نامہ کرد ٭ زنیک و بد روزگار نبرد

جہشیاری کی کتاب الوزرا ہمارے سامنے ہے۔ اس میں تحریر ہے کہ عہد گشتاسپ میں جب زردشت نے اپنا مذہب جاری کیا تو ایران میں تعلیم کا عام رواج ہوا۔ اور کتاب اوستا مختلف صوبوں کی زبان میں پھیل گئی (زبان ایک لہجے مختلف) اور اسی بنا پر مختلف خطوط (رسم الخط) جاری ہوئے۔ علامہ ابن ندیم نے بھی جہشیاری کے حوالہ سے یہ واقعات لکھے ہیں۔ اس عہد میں سب سے مشہور خط پہلوی جاری تھا۔ اور یہی دفتر انشا کا خط تھا۔

۱۔ پہلوی کا ماخذ

محقق اولڈ ہاؤس[1] کی تحقیق کے مطابق، پہلوی اور پارتھوی ہم معنی ہیں کیونکہ جس طرح قدیم لفظ متھرا اور چِتھر سبک ہو کر مہر اور چہر بن گئے ہیں اسی قیاس پر پارتھیہ کا قدیم نام، فارسی پہلے پارتھوا، پھر پرتھو، اور پرتھو سے پلھو اور پھر پلھو سے پہلو بن گیا ہے جس میں یائے نسبت لگا دی گئی ہے۔ اور یہی پہلوی عربی میں فہلوی ہو گیا ہے (پ کا تبادلہ ف سے)، اور جغرافیین عرب کی رائے کے مطابق ممالک پہلویہ (فہلوی) سے وسطی اور مغربی ایران کا وہ حصہ مراد ہے جس کے اندر اصفہان، رے، ہمدان، نہاوند اور کچھ حصہ آذربائیجان کا شامل تھا۔

بلخ و خراسان کی زبان فارسی کہلاتی تھی جس کی مشہور شاخ دری تھی۔ فارسی کے ساتھ دو زبانیں ژند[2] اور اوستا بھی مشہور ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ زردشت کی مذہبی کتاب کا جو متن ہے وہ اوستا کہلاتا ہے اور اس کا ترجمہ و تفسیر جو پہلوی

---

[1] ادبیات ایران پروفیسر براؤن صفحہ ۱۰۴

[2] اس کتاب کے حصہ چہارم کے صفحہ ۳۴ پر ملاحظہ فرمایئے۔

زبان میں ہے اس کا نام ژند ہے۔ اور پہلوی ژند کی تشریح کرد کا نام پازند ہے۔ یہ مصطلحات ہیں۔ اور یورپ والے پہلوی سے فارسی متوسط (ساسانی) مراد لیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس کا ایک خاص رسم الخط ہے اور اس میں آرامی یا ہزوارشن عنصر کی آمیزش ہے۔ ہزوارشن ایک قسم کے ہجے کا نام ہے جو پہلوی میں مستعمل تھا۔

۹۔ زوارشن علامہ ابن ندیم نے ابن المقفع (پہلوی اور عربی کا مشہور ادیب جو مجوسی سے مسلمان ہوا) کی روایت سے جہاں ایران کے سات قدیم خطوں کا ذکر کیا ہے اس میں لفظ زوارشن (ہزوارشن یا زوارشن) کی حسب ذیل[1] تصریح کی ہے جس کو ہم بجنسہٖ اس جگہ مع ترجمہ نقل کرتے ہیں۔ کیونکہ اس کو رسم الخط سے تعلق ہے۔

لھم ھجاء یقال زوارشن یکتبون بھا الحروف موصول ومفصول وھو نحو الف کلمۃ لیفصلوا بھا بین المتشابھات۔ مثال ذالک انہ من اراد ان یکتب گوشت وھو اللحم بالعربیہ کتب "بسرا" ویقراہ گوشت علی ھذا المثال (ردیرہ) واذا اراد ان یکتب نان	ایرانیوں میں ایک قسم کے ہجے (ہجاء) رائج ہیں جنکو زوارشن (ہزوارشن) کہتے ہیں یہ ایک ہزار الفاظ ہیں جنہیں ملا کر (متصل) بھی لکھتے ہیں اور الگ الگ (منفصل) بھی۔ یہ ہجے محض اس لئے ہیں کہ مشابہ الفاظ میں تمیز ہو سکے اور ابہام نہ پیدا ہو۔ اسکی یہ مثال ہے کہ جب یہ لوگ لفظ گوشت لکھنا چاہتے ہیں جسکو عربی میں لحم کہتے ہیں تو یہ پہلوی خط میں "بسرا" لکھتے ہیں اور اس کو

[1] الفہرست علامہ ابن ندیم صفحہ ۱۴ مطبوعہ جرمن۔

وهو الخبز بالعربية كتب "لهما" ويقرؤنه نان على هـذا المثال (لهما نان) وعلى هـذا كل شئ ارادوا ان يكتبوه الا اشياء لا تحتاج الى قلبها تكتب على اللفظ	گوشت پڑھتے ہیں اس طرح پر (ابراہ) اسی طرح جب نان لکھنا منظور ہوتا ہے جسکو عربی میں خبز کہتے ہیں تو یہ "لهما" لکھتے ہیں اور اسکو نان پڑھتے ہیں (لهما) یہی مثال دوسرے الفاظ کی ہے البتہ جن الفاظ میں قلب یعنی دوسرے قائم مقام الفاظ کی ضرورت نہیں ہے انکو بجنسہ تلفظ کے مطابق لکھتے ہیں۔

اس بیان سے ظاہر ہے کہ ایران کے قدیم ترین خط صرف مسماری اور پہلوی تھے۔ اس کے بعد عرب مورخین نے سات خطوط کا اور ذکر کیا ہے جس میں مراسلت ہوتی تھی۔

ان خطوط کی تفصیل سے قبل ایک اور علمی روایت ہے اگر اس کو صحیح تسلیم کیا جائے تو ایران میں مختلف قسم کے تیس خطوط کا جاری ہونا ثابت ہے۔

فردوسی طوسی تہمورث (دیوبند) کے حالات میں لکھتا ہے[1]

یکایک بیاراست با دیو جنگ — چو جنگشان را فزاون درنگ
ازایشان دو بہرہ بافسون ببست — دگرشان بہ گرز گران کرد پست
کشیدندشان خستہ و بستہ خوار — بجان خواستند آنگہی زینہار
کہ مارا مکش تا یکے نو ہنر — بیاموزی از ما کت آید بہ بر

[1] شاہنامہ فردوسی فارسی جلد اول صفحہ ۱۵ مطبوعہ مطبع نولکشور لکھنؤ ۱۲۸۶ھ

یکے تا مور داد شاں زینہار | بداں تا بہانی کنند آشکار
چو آزاد شاں شد سر از بند اوے | بجستند تا چار پیوند اوے
نوشتن بخسرو بیاموختند | دلش را بدانش برافروختند
نوشتن یکے نہ کہ نزدیک سی | چہ رومی چہ تازی و چہ پارسی
چہ سغدی چہ چینی و چہ پہلوی | نگاریدن آں کجا بشنوی

خلاصہ اشعار یہ ہے کہ قیدیوں کی درخواست کو ایک فوجی سردار نے منظور کر لیا۔ اور انکی جان بخشی کی اور انہوں نے اس صلہ میں شاہ کو مختلف قسم کے تیس خطوط سکھا دیے جن میں سے بعض کی تفصیل پچھلے دو شعروں میں ہے۔ ان خطوط سے فارسی اور پہلوی خالص ایرانی ہیں باقی ممالک غیر کے خط ہیں۔ جو ایران کے مختلف حصوں میں بہ سلسلہ تجارت وغیرہ جاری ہو گئے۔

اس موقع پر ایک تاریخی نکتہ یاد رکھنا چاہیئے اور وہ یہ ہے کہ عرب اور عجم کی تاریخ میں جن اور دیو یہ دو لفظ نہایت عجیب و غریب ہیں۔ دنیا میں انسان کے جس قدر غیر معمولی اور اہم کارنامے ہیں اور جنکی تاریخی اسناد مفقود ہیں وہ سب جن اور دیو سے منسوب کر دیے جاتے ہیں اور راوی بہت جلد اپنے فرائض سے سبکدوش ہو جاتا ہے۔ جنوں کا تذکرہ تو یہاں بے محل ہے البتہ لفظ دیو پر اظہار خیال کیا جاتا ہے۔ قدیم اہل فارس طاقتور، تنومند اور بلند قامت انسان کو دیو کہتے تھے[1] فسانہ نگاروں نے زیب

[1] سنسکرت میں دیو کا ترجمہ منور ہے۔ جس کا اطلاق ایک منور ہستی یعنی دیوتا پر کیا جاتا ہے۔ کتاب اوستا میں اس کا تلفظ دیوا ہے۔ فارسی علم ادب میں دیو کا اطلاق شیاطین پر بھی کیا جاتا ہے اور اس معنی میں یہ آرین زبان کا مذہبی لفظ ہے۔

درشتان کیلئے پہلے انہیں سپید، سیاہ اور سرخ کی تخصیص کی پھر ان کے سر پر دو سینگوں کا اضافہ کیا۔ اور آخر زمانہ میں پس پشت ایک دُم بھی لٹکا دی گئی۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ ایسا دیو عہد فردوسی میں۔ یا اس کے قبل موجود نہ تھا۔ اب غور طلب یہ ہے کہ شاہنامہ میں دیو اور دیوان سے کیا یہ عجیب الخلقت مخلوق مراد ہے یا وہ یہی معمولی انسان تھے۔

محققین جغرافیہ نے لکھا ہے کہ صوبہ فارس کے باشندے، حسین، خوبصورت اور متوسط اندام تھے۔ اور طبرستان، مازندران اور آذربائیجان کے باشندے ان کے مقابلہ میں بہت زبردست، قوی الجثہ اور طویل القامت تھے۔ یا یوں کہنا چاہیئے کہ شیرازی، دہلی اور لکھنؤ کے میرو مرزا تھے اور مازندرانی افغانستان کے پٹھان یا پنجاب کے جاٹ تھے۔ چنانچہ فردوسی نے ایسے ہی باشندوں کو دیو سے[5] تعبیر کیا ہے اور طبری واقعہ لکھتا ہے کہ جب طہمورث نے سرحدی علاقہ فتح کیا تو وہاں کے باشندے گرفتار ہو کر آئے جو تعلیم یافتہ تھے اور وہ تقریباً تیس زبانوں سے واقف تھے۔ چنانچہ انہوں نے ان زبانوں کی کتابت بھی سکھائی۔

اس تشریح کے بعد اب ہم قدیم ایرانی ہفت قلم کی تاریخ[6] لکھتے ہیں۔ جو قبل اسلام ایران میں جاری تھے۔

۱۔ دین دفتریہ	یہ اوستا کا مذہبی خط تھا۔
۲۔ دیش دبیریہ	یہ خط تین سو پینسٹھ حروف کا مجموعہ تھا۔ جو فنا ہو گیا۔ اعضاء (آنکھ و ابرو وغیرہ) کے پھڑکنے کے اشارات اس خط میں لکھتے تھے۔

[5] شاہنامہ میں رستم اور اسفندیار کی داستان ہفت خوان کے مطالعہ سے بھی یہ مسئلہ حل ہو گا۔

[6] الفہرست ابن ندیم صفحہ ۱۳-۱۴ مطبوعہ جرمن۔

الکستج [۱]	اس میں اٹھائیس[۲۸] حروف تھے۔ معاہدات، مہریں، سکہ اور انگوٹھیوں کے نقش اس خط میں لکھے جاتے تھے۔
۳- نیم کستج	اس میں بھی اٹھائیس[۲۸] حروف تھے۔ طب و فلسفہ کی مضامین کیلئے یہ قلم مخصوص تھا۔
۴- شاہ دبیریہ	صیغہ راز کی جملہ مراسلت اس قلم سے ہوتی تھی تاکہ دوسرا سمجھ نہ سکے۔
۵- نامہ دبیریہ	اس میں تینتیس[۳۳] حروف تھے۔ اور کسی میں نقطہ نہ تھا اور اس کی زبان سریانی تھی۔ یہ خط تمام ملک میں جاری تھا عام و خاص واقف تھے۔
۶- راز سہریہ	اس خط میں چالیس[۴۰] حروف تھے۔ صیغہ راز کا یہ دوسرا خط تھا۔ ہر حرف اور اس کے آواز کی مخصوص صورت تھی۔
۷- راس سہریہ	اس میں چوبیس[۲۴] حروف تھے منطق و فلسفہ کیلئے مخصوص تھا۔

اور ان خطوط کا ضمیمہ زوارش تھا۔ یعنی ضرورت کے وقت ان خطوط میں مخصوص ہجوں سے کام لیا جاتا تھا۔

۴۳- ہفت قلم، عہد اسلام

ایران میں اسلامی قبضہ ہوتے ہی، عربی زبان سرعت سے پھیلنا شروع ہوئی اور قبول اسلام کے بعد ہی، مذہبی احکام کی تعمیل کیلئے قرآن کریم کا پڑھنا ضروری ٹھہرا لسانیات عرب کا پہلا اثر ایران پر یہ ہوا کہ جدید فارسی (جو اسلام کے بعد بھی ایران

---

۱ کستج اور نیم کستج کا نمونہ اس کتاب کے حصہ چہارم کے صفحہ ۱۶ پر ملاحظہ فرمائیے۔

کی زبان تھی) کی کتابت عربی[1] ابجد میں ہونے لگی۔ اور یہ اثر ہنوز باقی ہے کہ فارسی کتابیں عربی خط میں بکثرت لکھی جاتی ہیں اور چھپتی بھی ہیں۔

آٹھویں صدی عیسوی سے ایران میں عربی حروف کا عام طور سے رواج ہو گیا تھا۔ عربی تصانیف میں عجمی مقولے آنے لگے۔ اور ہزوارشن کا طریقہ بھی مفقود ہو گیا۔ اور جدید فارسی میں عربی الفاظ کثرت سے دخیل ہو گئے۔ اور پہلوی رسم الخط صرف موبدوں (پیشوایان مذہب) میں رہ گیا۔ اور اسی زمانہ میں پہلوی تصنیفات کا عربی میں ترجمہ شروع ہوا۔ پہلا نامور مترجم ابن المقفع تھا۔

خلیفہ مامون الرشید عباسی کے عہد میں خراسان علم وفن کا مرکز بن چکا تھا لیکن مامون کے انتقال پر جب طاہر بن الحسین کا خاندان، خراسان کا مالک ہوا تو بغداد کے علوم وفنون آہستہ آہستہ خراسان پہنچ گئے اور خاندان طاہریہ کے بعد دیالمہ، سلاجقہ، سامانیہ اور غزنویہ نے بھی علوم وفنون کی سرپرستی کی اور ایرانی تصنیف وتالیف میں عربوں سے بڑھ گئے۔ اور علوم کے ساتھ ساتھ، بغداد کے اصلاح شدہ عربی خطوط بھی ترقی کرتے رہے۔ اور یہ وہ خطوط تھے جس کی اصلاح میں ابن بواب اور یاقوت[2] مستعصمی نے اپنی عمر صرف کر دی تھی۔

ایران میں حسب ذیل[3] اسلامی چھ قلم جاری تھے۔

۱۔ ثلث۔ ۲۔ توقیع (مناشیر)۔ ۳۔ محقق۔ ۴۔ نسخ۔ ۵۔ ریحان۔ ۶۔ رقاع۔

جب یہ ستّی (چھ قلم) ممالک عجم میں پہنچے تو خط توقیع سے انہوں نے ایک ساتواں

---

[1] خاکسار کے کتب خانہ میں اسی رسم الخط کی ایک پرانی طبی قلمی کتاب موجود ہے۔

[2] ابن بواب (متوفی ۴۱۳ھ) یاقوت مستعصمی (متوفی ۶۹۸ھ) علی بن ہلال کے بعد یاقوت بن عبد اللہ الموصلی۔ یاقوت رومی۔ یاقوت بن یاقوت مستعصمی ہے۔ [3] صفحہ ۹۶ پر ملاحظہ ہو۔

خط ایجاد کیا جس کا نام تعلیق[1] ہے۔

سنہ ۔۔۔ھ (عہد شاہان دیالمہ) میں حسن بن حسین بن علی فارسی نے خط نسخ، رقاع اور ثلث کو پیش نظر رکھ کر خط تعلیق ایجاد کیا۔ جس کا دوسرا نام خط ترسیل ہے

مولانا جامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

کاتباں را ہفت خط باشد بطرز مختلف
ثلث[1] و ریحان[2] و محقق[3]، نسخ[4] و توقیع[5] و رقاع[6]
بعد ازاں تعلیق[7] آں خط است کش اہل عجم
از خط توقیع استنباط کردند، اختراع

---

[3] صفحہ ۹۵ کا بقیہ۔ ان خطوط کے دائرے دوائر کی پیمائش اور سطح کی حالت دیباچہ مرقع پادشاہی ابوالفضل میں دیکھنا چاہیے۔ لیکن ان خطوط کی وجہ تسمیہ حسب ذیل ہے۔

(ثلث) خط کوفی اور تعلیق کے بعد یہ تیسرا خط ہے یا یہ کہ جس نے یہ خط سیکھ لیا گویا خط کا تین ثلث حاصل کر لیا۔

(توقیع) دفتر قضا اور دفتر انشا کا خط تھا۔ اور اس خط میں فرامین لکھے جاتے تھے اس لئے توقیع مشہور ہوا۔

(محقق) خط کوفی اور عبری سے ماخوذ تھا اور دائروں کی پیمائش زیادہ تحقیق سے کی گئی تھی لہذا محقق کہلایا۔

(نسخ) اس خط کی ایجاد نے دوسرے خطوں پر خط پھیر دیا۔ لہذا نسخ (یعنی ناسخ) مشہور رہا۔

(ریحان) یہ خط خوبصورتی اور رنگ و بو میں ریحان کی سی نزاکت رکھتا تھا۔ ملیئہ ریحان کے نام سے مشہور ہوا

(رقاع) یہ خط پرزوں پر لکھا جاتا تھا اور حسابی عمل بھی رقعوں پر کیا جاتا تھا لہذا رقاع کہلایا۔

[1] خط تعلیق کے نمونہ کا فوٹو بلاک اس کتاب کے حصہ چہارم کے صفحہ ۲۴۸ پر ملاحظہ فرمائیے۔

توقیع کے علاوہ تعلیق میں رقاع سے بھی مدد لی گئی ہے۔ ان خطوط ہفتگانہ میں جو فرق ہے وہ باہمی مقابلہ سے واضح ہو سکتا ہے۔

خط تعلیق[51] کا استاد نجم الدین ابوبکر محمد راوندی تھا۔ یہ خط ترچھے حروف میں لکھا جاتا تھا۔ دوسرا استاد خواجہ تاج سلیمانی تھا۔ تیسرا استاد اس خط کا میر[52] عبدالحئی تھا جو سلطان ابوسعید میرزا گورگانی کے دفتر انشاء کا افسر تھا۔ اور سب سے کامل مولانا درویش (عہد امیر علی شیر) تھے اور متاخرین میں اشرف[53] خاں خوشنویس دربار اکبری تھا۔

ان کے علاوہ مشہور اساتذہ حسب ذیل ہیں۔

خواجہ[1] عبداللہ صیرفی۔ ملا محی[2] الدین شیرازی۔ ملا عبداللہ[3] آشپز ہروی۔ ملا[4] ابوبکر۔ ملا شیخ محمود[5]۔ حافظ[6] حفیظ۔ خواجہ عبداللہ مروارید۔ سب سے زیادہ باکمال مانے جاتے ہیں۔ اور علامہ ابوالفضل نے ان سب کو استاد ہفت قلم بھی لکھا ہے۔

صاحب مواد البیان[54] کا قول ہے کہ محقق وہ خط ہے جو نہایت صحت سے الگ الگ دوائر میں لکھا جاتا ہے۔ معاہدات، دستاویزات اور مکاتبات سلاطین کے لئے مخصوص تھا۔

محقق سے ایک قلم اور ایجاد ہوا جس کا نام مطلق تھا۔ اس کے حروف متصل ہوتے تھے اور سرعت سے لکھا جاتا تھا۔ گویا یہ دفتری خط شکستہ تھا۔

دولت عثمانیہ (ٹرکی) میں بھی ان ایرانی قلموں کی بڑی قدر ہوئی۔ اور ترکوں نے

۵۱۔ انتشار الخط العربی صفحہ ۶۳ - ۶۵ - مطبوعہ جرمن

۵۲۔ محامد حیدریہ قاضی محمد صادق اختر صفحہ ۲۴

۵۳۔ ان کا نام محمد اصغر ہے۔ ان کے مفصل حالات اس کتاب کے حصہ دوم میں اکبری دور کے خطاطوں کے حالات میں نمبر ایک پر ملاحظہ فرمائیے

۵۴۔ صبح الاعشیٰ صفحہ ۴۳ مطبوعہ مصر

ان خطوں سے قلم دشتی، دیوانی اور فارسی ایجاد کئے۔ ترکی فرامین قلم دیوانی سے لکھے جاتے ہیں جس کی شان نسخ اور شفیعہ سے ملتی ہوئی ہے۔ پھر اس کی بھی دو قسمیں ہیں، جلی اور خفی۔

خطوط مذکورہ کے علاوہ دولت عثمانیہ میں خط ثلث اور رقاع بھی جاری ہے البتہ طرز تحریر نہایت پیچیدہ ہے۔ اور فرامین کا پڑھنا (جب تک اس خط کی تعلیم نہ ہو) دشوار ہے۔ کتاب انتشار الخط العربی میں یہ کل نمونے موجود ہیں۔

۳۵۔ خط شفیعہ

ایرانی قلموں میں نستعلیق اگرچہ سب سے خوبصورت تھا مگر دیر میں لکھا جاتا تھا اس لئے اس کی دو شاخیں ہو گئیں ایک خط شکستہ، دوسرا شفیعہ۔

تقریباً سنہ ۱۱۰۰ھ میں مرتضیٰ قلی شاملو حاکم ہرات نے خط شکستہ[۱] وضع کیا جو روزمرہ اور دفتر کا خط تھا۔ اس سلسلہ میں مرتضیٰ قلی کے میر منشی شفیعا نے شکستہ میں خاص حسن پیدا کر کے اس کا نام شفیعہ رکھا جو آج تک اسی نام سے مشہور ہے۔ اور یہ ایران کا روزمرہ کا قلم ہے۔ ہندوستان میں شفیعہ رائج ہے مگر کمتر۔ شفیعہ میں بعض حروف کے جوڑ خط تعلیق سے لئے گئے ہیں۔

۳۶۔ خط نستعلیق اور اس کے اساتذہ کی تاریخ

اہل عجم ہمیشہ سے جدت پسند اور حسن پرست واقع ہوئے ہیں۔ جب ان کو خط نسخ میں بھدا پن نظر آیا تو اس کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوئے۔ نسخ میں ہر دائرہ اول سے اخیر تک یکساں رہتا تھا اور حرفوں میں کسی قدر ناہمواری تھی یعنی دائرے

---

[۱] خط شکستہ کا نمونہ اس کتاب کے حصہ چہارم کے صفحہ ۸۰ پر ملاحظہ فرمائیے۔

گول نہ تھے بلکہ نچلا حصہ چپٹا ہوتا تھا جس میں کونے یا زاویے نکل آتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے حروف میں نقاشی (شان مصوری) پیدا کی اور حروف کی نوکیں، گردنیں اور نیچے کا حصہ باریک کر دیا۔ اور دائرے گول بنائے۔ اور اس خط کا نام "نستعلیق" قرار پایا۔

خط نستعلیق یا قلم فارسی بقول علامہ ابن ندیم خط قیراموز سے ماخوذ ہے۔ جو خط کوفی کی ایک شاخ ہے۔ جس کے یہ معنی ہوئے کہ خط تعلیق اصلاح شدہ عربی خط سے ماخوذ ہے۔

لفظی ترکیب سے ظاہر ہے کہ نستعلیق کا ماخذ "نسخ تعلیق" ہے جب خائے معجمہ کو تخفیفاً حذف کر دیا تو نستعلیق رہ گیا۔ اساتذہ فن اور ارباب لغت کا بھی یہی قول ہے۔ لیکن غور کرنے سے حقیقت کھلتی ہے کہ نستعلیق کی ایجاد میں جملہ قلموں کی شان پیش نظر تھی جو ایران میں جاری تھے۔ علم خط کے علاوہ اہل عجم نے علوم و فنون کی بھی عربوں سے زیادہ خدمت کی ہے جسکی تفصیل کشف الظنون وغیرہ سے معلوم ہو سکتی ہے۔ دور حاضرہ میں بھی ایران، ہندوستان پر فوق رکھتا ہے۔ نسخ اور تعلیق کے اساتذہ موجود ہیں اور عام مراسلت کا قلم شفیعہ ہے۔

نستعلیق کتابی خط ہے جو ایران اور ہندوستان وغیرہ میں جاری ہے۔ اور مراسلت کا قلم شفیعہ ہے جو نہایت خوبصورت ہے۔

نستعلیق کے حسن قبول کی بڑی دلیل یہ ہے کہ لفظ نستعلیق سے متعدد محاورات ایجاد ہوئے جو زبان زد ہیں۔

ایرانی ابجد میں تینتیس ۳۳ حروف ہیں کیونکہ عربی ابجد میں پ۔ چ۔ ژ۔ اور گ کا اضافہ کیا گیا ہے۔

۱۔ خواجہ میر علی تبریزی[1]	خط نستعلیق کے موجد خواجہ میر علی علوی تبریزی مشہور

[1] خواجہ میر علی تبریزی کی وصلی کا فوٹو بلاک اس کتاب کے حصہ چہارم کے صفحہ ۴۵ پر ملاحظہ فرمائیے۔

ہیں۔ یہ امیر تیمور کے عہد (۷۷۱ - ۸۰۷ھ) کے نامور خطاط ہیں۔ جو فن کے اعتبار سے عدیم النظیر مانے گئے ہیں۔ لیکن علامہ[۵۴] ابوالفضل، دیباچہ مرقع بادشاہی (البم قطعات خوشنویسان ہند و ایران مرتبہ شاہ جہانگیر) میں لکھتے ہیں کہ میں نے امیر تیمور کے زمانہ سے قبل کی نستعلیق کی وصلیاں دیکھی ہیں۔ لہٰذا میر علی تبریزی خط نستعلیق کو موجد نہیں ہو سکتے۔ ابوالفضل کی شہادت نہایت معتبر ہے۔ میر علی خط نستعلیق کے موجد نہیں ہیں بلکہ اس کا موجد کوئی اور تھا۔ جو ہنوز تحقیقات طلب ہے لیکن یہ امر بلا شک و شبہ قابل تسلیم ہے کہ میر صاحب نستعلیق کے مصلح اول ہیں۔ اور صرف اُن کے حسن عمل سے نستعلیق کو یہ عروج حاصل ہوا ہے۔ جس کی تکمیل میں میر صاحب کے شاگردوں کا بھی خاص حصہ ہے۔

مولانا غلام محمد دہلوی نے اپنے تذکرہ خوشنویسان میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ میر علی اگرچہ نستعلیق کے موجد نہیں ہیں لیکن انہوں نے اس خط کے قواعد مرتب کئے۔ اور نوک پلک میں خاص نزاکت پیدا کی۔

علامہ ابوالفضل نے میر علی کے نامور شاگردوں میں مولانا جعفر تبریزی اور مولانا اظہر اور مولانا سلطان علی مشہدی کا نام لیا ہے۔ مولانا جعفر، شاہ رخ میرزا کے زمانہ میں تھے۔ اور اظہر ان کے معاصر تھے۔ لیکن سلطان علی کا درجہ سب سے بلند ہے۔ مولانا جعفر نے میر علی کے علاوہ اظہر کی وصلیوں سے بھی کامل نفع اٹھایا ہے۔

ابوالفضل کی تقلید میں میر علی کے شاگردوں کے مختصر حالات ہم اس سلسلہ میں لکھتے ہیں۔

---

۵۴ دفتر سوم ابوالفضل صفحہ ۲۵۵ مطبوعہ نولکشور

۵۵ بعض مورخین نے یاقوت مستعصمی کا نام لکھا ہے۔

میر علی کو اپنے شاگردوں میں سلطان علی مشہدی پر فخر تھا۔ کیونکہ انہوں نے سب سے زیادہ اُستاد کی خدمت کی ہے۔ اور میر صاحب کے حالات ایک مثنوی[۱] میں لکھے ہیں جس کے چند اشعار ہم یہاں نقل کرتے ہیں

سیرۃ میر علی تبریزی

نسخ و تعلیق گر خفی و جلی است ۔ واضع الاصل خواجہ میر علی است
حسبش بود با علیؓ ازلی ۔ نسبش نیز میرسد بہ علیؓ
تاکہ بود است عالم و آدم ۔ ہرگز ایں خط نہ بود در عالم
وضع فرمود او ز ذہن دقیق ۔ از خط نسخ و ز خط تعلیق
نے کلکش ازاں شکر ریز است ۔ کا صلش خاک پاک تبریز است
کاتباں کہ کہنہ و نویند ۔ خوشہ چینان خرمن اویند
در جمیع خطوط بودہ شکرف ۔ زاوستاداں شنیدہ ام ایں حرف
خط پاکش چو شعر اُو موزوں ۔ ہست تعریف او ز حد افزوں
بُد مفاخر بہ مجمع افضال ۔ شیخ شیریں مقال، شیخ کمال[۲]
آنکہ شعرش چو میوہ ہائے خجند ۔ ہست شیریں تر از نبات و ز قند

سلطان علی مشہدی ایک جگہ اپنے استاد کے اُن اقوال کو جو خوشنویسی کے سلسلہ میں ہیں اس طرح نظم کرتے ہیں۔

۱؎ مجالس المومنین قاضی نوراللہ شوستری

۲؎ کمال خجندی متوفی ۸۰۳ھ یہ میر علی کے ہم عصر تھے۔

این چنیں گفتہ است میر علی | صبح مشق خفی و شام جلی
مشق آہستہ کن شتاب مکن | قلم مشق را خراب مکن

میر علی خطاطی کے ساتھ شاعری میں بھی کمال رکھتے تھے۔ میر صاحب کے مقلدین میں ایرانی اور ہندی دونوں ہیں۔ لیکن ہندوستان میں کشمیریوں نے نستعلیق کو بہت زیادہ ترقی دی۔ دربار اکبری کا نامور خوشنویس محمد حسین کشمیری اسی زمرہ میں شامل ہے۔ اور خطاطان ترکستان بھی میر علی کے مقلد ہیں میر صاحب کی وصلیوں کا بڑا ذخیرہ ایران، اور انڈیا آفس (لندن) میں موجود ہے آٹھویں صدی کے اخیر تک میر صاحب بہ قید حیات تھے۔

میر علی کے ہمنام اور ہمعصر، میر علی ہروی، ملا میر علی شیرازی اور میر علی خراسانی ہیں۔ ان سب کی شان خط جداگانہ تھی۔

۲۔ میرزا سلطان علی مشہدی

میر علی[۱] کے نامور شاگرد ہیں۔ سلطان حسین تیموری کے عہد میں تھے۔ سلطان حسین نے ان کو "قبلۃ الکتاب" خطاب دیا تھا۔ انکی قلم سے لکھی ہوئی مستقل کتابیں اور وصلیاں موجود ہیں۔ ساٹھ سال سے زیادہ عمر پائی، عابد و زاہد تھے۔ تمام عمر مشہد مقدس میں قیام رہا۔ سنہ ۹۱۹ھ ۱۵۱۳ء میں انتقال کیا۔ (انتقال کا سنہ غلط ہے کیونکہ انکی دو قلمی کتابیں سنہ ۹۲۰ھ و سنہ ۹۲۱ھ کی موجود ہیں) تصنیف میں فن خطاطی پر ایک رسالہ یادگار ہے۔ جس کے قلمی نسخے جا بجا موجود ہیں۔ اخیر عمر تک لکھتے رہے اور زور قلم قایم رہا۔ نستعلیق میں خوشنویسی کے بادشاہ تھے چنانچہ خود انکا قول ہے

مرا عمر شصت و دو شد بیش و کم | ہنوز م جوان است مشکیں قلم
تو انم نوشتن خفی و جلی | ہنوز م کہ العبد سلطان علی

۱؎ حبیب السیر جلد سوم۔ اور آئین اکبری اور مجالس المومنین وغیرہ

تاریخ تیموری کی تیاری میں مشہور مصور بہزاد کے ساتھ کام کیا تھا۔ بابر نے اپنی تزک میں ان کے کمالات کی تعریف کی ہے۔ علی شیر بیگ کے حکم سے کئی کتابیں لکھیں۔ میرزا کے مشہور شاگرد حسب ذیل ہیں۔

۱۔ سلطان محمد خنداں۔ ۲۔ سلطان محمد نور۔ ۳۔ علاؤالدین محمد ہروی۔ ۴۔ زین الدین محمود عبدی نیشاپوری۔ ۵۔ محمد قاسم شادی شاہ۔ ۶۔ مولانا محمد عبداللہ ہروی۔ ۷۔ میر علی الکاتب ہروی۔ (نستعلیق میں ان کے شاگرد تھے)

یہ سب اساتذہ فن ہیں۔ اور انہوں نے خط میں شان دلربائی پیدا کی ہے۔

علامہ ابوالفضل نے ان کے علاوہ نستعلیق کے استادوں میں مولانا محمد اوبھی (اوبہ ہرات کا ایک گاؤں ہے) اور ہجرانی کا بھی نام لیا ہے۔

سلطان علی کے سمی (ہمنام) حسب ذیل خطاط تھے۔

۱۔ سلطان علی قائنی۔ ۲۔ سلطان علی تبریزی۔ ۳۔ سلطان علی خراسانی (مشہدی)، ۴۔ سلطان علی قزوینی۔

ان چاروں کی وصلیاں ہندوستان میں بکثرت موجود ہیں۔ مگر میرزا سلطان علی مشہدی ان سب کے سرتاج تھے۔

ان کے علاوہ محمد مراد کشمیری شیریں قلم بھی سلطان علی اور میر علی کے مماثل تسلیم کئے گئے ہیں۔

۳۔ میر علی الکاتب الہروی[1]

ہرات کے باشندے اور سید تھے۔ مشہد مقدس میں سلطان علی سے نستعلیق کی تکمیل کی۔ اور استاد سے بڑھ گئے۔ شاعری اور خطاطی میں اول اپنے باپ محمد رفیقی سے اصلاح

---

[1] میر علی ہروی کی وصلی کا فوٹو بلاک اس کتاب کے حصہ چہارم کے صفحہ ۵۰ پر ملاحظہ فرمایئے۔

لی۔ اس کے بعد زین الدین محمود عبدی کے شاگرد ہوئے۔ شاعر بھی تھے اور مجنون تخلص تھا۔ فن خطاطی پر دو رسالے نظم میں لکھے ہیں خصوصاً وہ رسالہ جس میں خطوط مقطعہ کے قواعد نظم کئے ہیں بہت مشہور ہیں۔ اپنی تعریف میں متعدد رباعیاں اور اشعار لکھے ہیں۔ ۹۰۹ھ میں رسم الخط پر ایک رسالہ لکھا ہے جو برٹش میوزیم لندن میں موجود ہے یہ رسالہ سلطان مظفر کے نام پر معنون ہے۔ ۹۳۵ھ میں ملکی بدامنی کی وجہ سے ماوراء النہر چلے گئے۔ اور عبداللہ خاں ازبک (متوفی ۹۴۶ھ) کے ملازم ہوئے اور شہزادہ مومن کے استاد مقرر ہوئے۔ بعدہٗ سلطان عبدالعزیز بخارا کے ملازم ہوئے یہاں رہ کر گلستاں اور مطلع الانوار امیر خسروؒ لکھی۔ گلستاں پیرس کی لائبریری میں اور مطلع الانوار پٹنہ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ خوانین بخارا سنی المذہب تھے۔ بخارا میں اختلاف مذہب کی وجہ سے پریشان رہے۔ میر صاحب کا یہ قطعہ مشہور ہے۔ بخارا سے ناخوش معلوم ہوتے ہیں اور ساتھ ہی زمانہ کے شاکی ہیں۔

عمرے از مشق دوتا بود، قدم ہمچوں چنگ
تا کہ خط من بیچارہ بدیں قانون شد

طالب من ہمہ شاہان جہاں اندو مرا
در بخارا جگر از بہر معیشت خوں شد

خوش نویسان جہاں ساغر عشرت نوشند
ساغر عیش مرا بیں کہ سراسر خوں شد

حسن خط بہر خلاصی ز جنوں می جستم
وہ کہ خط سلسلہ پائے من مجنوں شد

میر علی تبریزی اور انکے شاگردوں کے بعد ابوالفضل نے مولانا میر علی ہروی کو نستعلیق کا استاد تسلیم کیا ہے۔ میر علی ہروی نے تکمیل فن کے بعد اپنے اساتذہ کے

خلاف ایک جدید روش نکالی اور عجیب و غریب تصرفات کیے جو آجتک یادگار ہیں باوجود اس کمال کے میر صاحب، سلطان علی مشہدی کی نمکینی خط کے معترف تھے۔

مرقع بادشاہی (جہانگیر) میں میر علی ہروی کی بھی وصلیاں تھیں۔ ایک قطعہ میں اصول خوشنویسی لکھے ہیں۔ وہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

چند درو ادمی خط میکنی اے دل تنگ و پوتے	بشنو این نکتہ و چون من بنشیں فارغ بال
پنج چیز است کہ تا جمع نہ گردد باہم	ہست خطاط شدن نزد خرد امر محال
قوت دست و وقوف رخط و دقت طبع	طاقت محنت و اسباب کتابت بکمال
گر ازیں پنج قصور یست یکے را حقا	ندہد فائدہ گر سعی نمائی صد سال

تقریباً ۹۵۰ھ میں انتقال کیا۔ لیکن سنہ وفات میں بھی اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ ۹۵۷ھ کے بعد فوت ہوئے۔ کیونکہ سام میرزا نے کتاب تحفہ سامی میں انکو ۹۵۷ھ میں بہ قید حیات لکھا ہے۔

میر علی کے بعد درجہ بدرجہ نستعلیق کے استاد حسب ذیل اصحاب ہیں۔

ملا محمد حسین تبریزی۔ میر سید احمد مشہدی۔ ملا حسن علی مشہدی۔ ملا شاہ محمد نیشاپوری۔ میر معز کاشی۔ میرزا ابراہیم اصفہانی۔

۴۔ میر عماد الحسینی قزوینی نستعلیق میں امام فن ہیں۔ اصفہان میں بابا شاہ کی شاگردی کی اور ملا محمد حسین، سلطان علی مشہدی اور میر علی کی وصلیوں سے نفع اٹھایا۔ خط نستعلیق کے مذکورہ بالا اساتذہ کے بعد میر عماد الحسینی اور آقا عبدالرشید دیلمی دو استاد اور ہیں۔ اور خوشنویسی کے یہ پانچ ستون ہیں

ا؎ مسٹر ایڈورڈ گارتھ مصنف مغل رولر ان انڈیا نے میر علی ہروی کی وفات ۱۵۵۸ء لکھی ہے۔

۲؎ میر عماد کی وصلی کا فوٹو بلاک اس کتاب کے حصہ چہارم کے صفحہ ۴۹ پر ملاحظہ فرمائیے۔

جن سے خطاطی کی عمارت قائم ہے۔ اور ایران سے ہندوستان تک جس قدر مشہور خطاط گزرے ہیں اُن کا سلسلہ شاگردی انہیں پانچ تک پہنچکر ختم ہو جاتا ہے۔ اور اس فن کے چار مدرسے (لاہور، آگرہ، دہلی اور لکھنؤ) میر عماد اور آقا دیلمی کی ذات سے قایم ہوتے ہیں۔

میر عماد، نستعلیق نگاری میں ضرب المثل ہیں۔ اصفہان میں درویشانہ وضع سے رہا کرتے تھے اور شاہ عباس[1] صفوی کے دربار سے تعلق تھا۔ شاہ کے حکم سے شاہنامہ فردوسی لکھنا شروع کیا تھا۔ اور ابتدائی ستر بیت لکھکر پیش کیے جس کا صلہ شاہ نے ستر تومان (ایک ایرانی سکہ) دیا۔ اس انعام کو میر صاحب نے خلاف شان سمجھکر واپس کردیا اس شان بے نیازی سے شاہ عباس ناراض ہوگیا اور یہ ناراضی یہانتک بڑھی کہ میر صاحب کو سنہ ۱۰۲۴ھ / ۱۶۱۵ء میں بعمر تریسٹھ ۶۳ سال حمام میں قتل کرادیا۔ اس حساب سے سنہ ولادت تقریباً سنہ ۹۶۰ھ / ۱۵۵۲ء ہوتا ہے۔ شاہنشاہ جہانگیر نے جب یہ واقعہ سنا تو رو دیا۔ اور کہا کہ اگر شاہ عباس میر عماد کو میرے پاس بھیجدیتا تو میں اُن کے ہموزن موتی دیتا۔

سلاطین مغلیہ میں شاہ جہاں سب سے زیادہ قدردان تھے۔ کسی نے میر صاحب کی ایک وصلی پیش کی تو شاہجہاں نے اس کو منصب یک صدی عطا فرمایا۔ اس وصلی پر

۱۔ بعض مورخین نے یہ لکھا ہے کہ میر عماد نو سو ۹۰۰ روپیہ ماہوار پر شاہ عباس قلی (ایران) کے پاس ملازم تھے۔ شاہ نے خط نستعلیق میں شاہنامہ فردوسی کی نقل کے لیے حکم دیا۔ میر عماد نے خواہش کی کہ مجھے ایک آراستہ باغ میں بیٹھکر لکھنے کا انتظام کرادیں اور اس باغ کے حوض میں عرق گلاب اور عرق کیوڑہ بھروا دیا جائے۔ شاہ نے باغ کی آراستگی کا حکم دیدیا۔ میر عماد تین سال تک اس باغ میں بیٹھکر شاہنامہ کی نقل کرتے رہے۔ اس عرصہ میں باغ کی آراستگی پر چھ لاکھ روپیہ صرف ہوا تھا۔ جب بادشاہ نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ میر صاحب نے شاہنامہ کے صرف چھ جزو نقل کیے ہیں۔ بادشاہ غضبناک ہوا اور میر صاحب کو حکم دیا کہ ایک روز میں چھ لاکھ روپیہ خزانہ شاہی میں داخل کردو۔ میر صاحب نے اصفہان کے باشندوں کی مدد سے آدھے دن میں چھ لاکھ روپیہ خزانہ شاہی میں داخل کردیا۔ مگر بادشاہ کے غصہ کے بھڑکانے کیلئے اس معاملہ نے تیل کا کام دیا اور میر صاحب کو قتل کر دیا گیا۔

یہ قطعہ تحریر تھا۔

قطعہ

اے برابرو گرہ افگندہ چہ حالست ترا | گوئی از صحبت احباب ملالست ترا
موجب حسن تو نہ تنہا خط و خال فتاد | عشق ما نیز ز اسباب جمالست ترا

الفقیر الحقیر میر عماد الحسینی غفر اللہ ذنوبہ و ستر عیوبہ سنہ ۱۰۲۳ھ

اس تحریر کے ایک سال بعد قتل ہوئے۔ یہ وصلی مسٹر اجیت گھوش ایڈوکیٹ ہائی کورٹ کلکتہ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

۵- آقا عبدالرشید دیلمی قزوینی

یہ آقا رشید کے نام سے مشہور ہیں۔ میر عماد کے بھانجے، داماد اور انہی کے شاگرد تھے۔ میر علی میر عماد اور آقا کی وصلیوں کی شناخت کرنا اور انکی تحریریں امتیاز کرنا صرف ماہر فن کا کام ہے۔

میر عماد کے واقعہ قتل سے خوفزدہ ہو کر آغاز حکومت شاہجہانی میں آقا داخل ہندوستان ہوئے۔ لاہور ہوتے ہوئے تباہی اور خستہ حالی میں آگرہ پہنچے۔ لباس میل کچیل سے موم جامہ بنکر بوسیدہ ہو گیا تھا۔ آقا نے شاہجہاں کی خدمت میں قطعہ لکھکر پیش کیا۔

قطعہ

آیا خجستہ حضا لے کہ ساکنان فلک | بر آستان تو دارند میل دربانی
چہ حاجت است کہ گوئیم حال خستہ خود | کہ حال خستہ دلان را تو خوب میدانی

سلہ آقا عبدالرشید دیلمی کی مطلا وصلی جو شاہجہاں بادشاہ کی خدمت میں پیش کی گئی تھی۔ جو پونے گیارہ انچ لمبی اور سات انچ چوڑے کاغذ پر لکھی ہوئی تھی اسکا فوٹو بلاک اس کتاب کے حصہ چہارم کے صفحہ ۵۱ پر ملاحظہ فرمائیے

سلہ بعض مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ آقا رشید نے لاہور میں کچھ دن قیام کیا اور اسی دوران قیام میں آپ کے متعدد شاگرد ہو گئے۔ اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو نستعلیق کا پہلا مرکز لاہور کو سمجھنا چاہیئے۔

شاہجہاں نے اظہار خوشنودی فرمایا اور انتہائی احترام کے ساتھ اپنا درباری خوشنویس اور شاہزادہ دارا شکوہ کا استاد مقرر کیا۔ اور پندرہ سو روپیہ ماہانہ مقرر فرمائے۔ اور حکم دیا کہ خط نستعلیق کو ہندوستان میں عام رواج دینا چاہیئے۔

آقا کا مرتبہ کتابت میں بہت بلند ہے۔ ائمہ فن انکو خطاطی کا پیغمبر سمجھتے ہیں۔ خدمت اتالیقی کے علاوہ شاہجہاں نے خدمت بیوتات پر سرفراز کر دیا تھا۔ امیرانہ شان سے رہتے تھے۔ آگرہ میں شاندار عمارتیں اور مسافر خانے تعمیر کئے۔ بڑھاپے تک مشق جاری رہی ۱۰۸۱ھ یا ۱۰۸۵ھ میں بمقام آگرہ عہد عالمگیر[1] میں انتقال کیا۔ اور وہیں دفن ہوئے۔ اس صاحب کمال کا جانشین آجتک پیدا نہیں ہوا۔ میر علی تبریزی کا سلسلہ آقا رشید پر ختم ہو جاتا ہے۔

آقا کے شاگردوں میں شاہزادہ دارا شکوہ۔ محمد اشرف خواجہ سرا۔ سعیدائی اشرف میر عبدالرحمٰن ہروی، میر حاجی بہت مشہور رہیں۔

آغا عبدالرشید کا طبقہ متاخرین پر سب سے بڑا احسان ہے جس نے ائمہ فن پیدا کئے اور ہندوستان کے چاروں دارالخلافہ یعنی آگرہ۔ لاہور۔ دہلی اور لکھنؤ میں انہیں کی ذات گرامی سے فن خطاطی عروج پر پہنچا۔ انکی وصلیاں انکی زندگی میں جواہر کے مول فروخت ہوتی تھیں۔

لاہور۔ آگرہ۔ دہلی اور لکھنؤ کے جملہ اساتذہ میر علی تبریزی کو نستعلیق کا آدم اور میر عماد کو آدم ثانی تسلیم کرتے ہیں۔ آج ہندوستان میں جس قدر خطاط ہیں ان کی شاگردی کا سلسلہ میر عماد اور آقا عبدالرشید پر جاکر ختم ہو جاتا ہے[2]۔

---

[1] اسی زمانہ میں عالمگیر کے استاد ابوالبقا موسوی ایرانی تھے۔ ان کا شمار بھی فن خطاطی کے مشاہیر میں ہوتا ہے۔ [2] صفحہ ۱۰۹ پر ملاحظہ ہو۔

۲۷۔ ممالک اسلام اور ان ممالک میں جہاں خط عربی و فارسی کا رواج ہے

دنیائے اسلام کا مشترکہ مقدس خط عربی ہے جس کی مفصل تاریخ لکھی جا چکی ہے۔ اور یہ خط نسخ کہلاتا ہے۔ اور اکثریت اسی خط کی ہے۔ اس کے بعد نستعلیق کا درجہ ہے۔ باستثنائے ہندوستان جن ممالک میں یہ دونوں خط جاری ہیں انکی مختصر کیفیت حسب ذیل ہے۔

۱۔ دولت عثمانیہ

خلافت بغداد اور دولت مغلیہ کے زوال پر حکومت اسلام کے علمبردار سلاطین عثمانیہ تھے جن کی ایشیا، اور یورپ دونوں پر حکومت تھی۔ اور حرم ثلاثہ وغیرہ کی حفاظت کی بنا پر سلاطین دولت عثمانیہ، مذہبی خلافت سے بھی حامل تھے۔ اور ان کو

سلہ (صفحہ ۱۰۸ کا نوٹ) انکے علاوہ نستعلیق کے اور بھی مشہور خطاط گزرے ہیں جنکے اسمائے گرامی مفصلہ ذیل ہیں۔

۱۔ محمد تبریزی: شاہ طہماسپ (۱۵۲۴ء لغایت ۱۵۷۶ء) کے عہد کے خوشنویس ہیں انکی قلمی مثنوی فرہاد و شیریں ہے اور یہ مصور نسخہ ہے

۲۔ یار محمد ہروی: یہ مشہور خوشنویس تھے۔ ملاحظہ ہو عالم آرائے عباسی سنہ کتابت ۹۲۸ھ ہے۔

۳۔ شاہ قاسم: (اس نام کے کئی خوشنویس اور مصور مختلف ادوار میں گزرے ہیں) ہلالی (متوفی سنہ ۹۳۹ھ) کی مشہور مثنوی صفۃ العاشقین نوشتہ شاہ قاسم ہے۔ عمدہ نستعلیق اور مصور ہے۔ (اس نام کے چار قاسم مصور اور خوشنویسوں کے اسمار گرامی حسب ذیل ہیں)

۱۔ شاہ قاسم تبریزی: جنکو شاہ سلیمان اپنے ہمراہ قسطنطنیہ لے گئے تھے۔

۲۔ استاد ملک محمد قاسم: جو قاسم بن شاہ شادی کے نام سے مشہور ہیں۔ سنہ ۹۴۷ھ ۱۵۴۰ء میں فوت ہوئے

۳۔ محمد قاسم اصفہانی: سترہویں صدی عیسوی میں تھے۔

۴۔ شاہ قاسم: یہ بہت مشہور خوشنویس تھے۔

"امیر المومنین" کا منصب حاصل تھا۔ لہٰذا یہی گورنمنٹ اسلامی تمدن اور علوم و فنون کی بھی حامی تھی۔ اور اس نے جس قدر مذہبی اور علمی خدمات انجام دی ہیں اس کیلئے ایک مستقل تاریخ کی ضرورت ہے۔ بغداد، اصفہان و شیراز اور دہلی مرحوم کی طرح قسطنطنیہ بھی علمی مرکز تھا۔ اور دور جمہوریت سے پہلے لسانیات اور علم خط کی جس قدر ترقی دولت عثمانیہ میں ہوئی ہے، اس کا اندازہ کتاب انتشار الخط العربی کے ملاحظہ سے ہو سکتا ہے خطاطان دولت عثمانیہ میں مولانا ضیاء الحق حسام الدین چلپی مرید خاص مولانا روم صاحبؒ (متوفی ۶۸۳ھ) بھی شامل ہیں۔ یہ نستعلیق کے استاد تھے۔ مثنوی شریف کا بڑا حصہ مولانا نے صاف کیا تھا۔

باب عالی میں ترکی خطوط کے ساتھ عربی، فارسی کے مختلف خط جاری تھے۔ اور ہنوز جاری ہیں۔ لیکن مصطفےٰ کمال پاشا کے دور سیاوت میں مغربیت کے اثر سے اب اٹالین خط میں عام مراسلت ہوتی ہے۔

۲۔ مملکت مصر

مصر میں خلافت فاروقی سے اسلامی حکومت ہے۔ اور ارض مصر عہد قدیم سے گہوارۂ اسلام ہے۔ جامع ازہر کی اسلامی یونیورسٹی ہنوز موجود ہے۔ مصر خط نسخ کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ عرب کے علوم و فنون کا منبع اور سرچشمہ ہے۔ گورنمنٹ مصر حامی علوم و فنون ہے۔ اور تمام علاقہ مصر اور علاقہ نوبیہ (وادی نیل) کا خط بھی عربی ہے۔ اور عربی کی نادر و نایاب کتب مصر کے مطابع شایع کرتے رہتے ہیں۔ مصر سے عربی کے متعدد اخبار و رسائل جاری ہیں۔

۳۔ عراق، حجاز، نجد، یمن اور شام

یہ مقامات مجموعی حیثیت سے ایوان اسلام کے پانچ ستون ہیں۔ اور آغاز اسلام

سے آجتک ان ممالک کی مستقل تاریخ موجود ہے۔ اور ہنوز یہاں اسلامی حکومت ہے ان ممالک کا کتابی خط نسخ ہے۔ اور مراسلت کا قلم جداگانہ ہے۔ کسی زمانہ میں یہ ممالک خط کوفی کے مرکز تھے۔

۴۔ ممالک مغرب

ممالک مغرب سے ہماری مراد الجزیرہ[1]، مراکش[2]، قیروان[3]، ٹونس[4] اور طرابلس الغرب ہے یہاں کی زبان عربی ہے اور کتابی خط بھی عربی ہے۔ لیکن شان کتابت بہت پیچیدہ ہے۔ یہ مغربی خط کہلاتے ہیں جس میں دنیائے اسلام کے عام خط نسخ کے مقابلہ میں حسن کی کمی ہے۔ ان خطوط کا ماخذ بھی خط کوفی ہے۔ چونکہ فاس، حکومت مغرب کا دارالخلافہ رہا ہے۔ لہٰذا خط مغربی کا ایک نام خط الفاسی بھی ہے، لیکن۔ یہ حقیقت میں مراکشی خط تھا کوئی جداگانہ قسم نہ تھی۔ اور یہی علامہ ابن خلدون کی رائے ہے۔ خط قیروانی (قیروان صدر تھا) بھی کہلاتا تھا۔

اہل مغرب نے ابجد قدیم کے رسم الخط میں یہ ترمیم کی ہے۔

۱۔ گ[1] گ[2] (تین نقطے اوپر تین نیچے) اس کا نام گاف بربری ہے۔

۲۔ چ (تین نقطے ج کے اوپر)

۳۔ ڤ (تین نقطے اوپر)

بلاد مغرب میں تین قسم کی کتابت ہے۔

۱۔ خط تونسی (ٹونس) مشرقی خط سے مشابہ ہے۔ ف۔ اور ق پر نقطے مغربی قسم کے ہیں

۲۔ خط جزائری۔ (الجیریہ) چھوٹے چھوٹے دائرے ہیں۔ پیچیدگی ہے۔ اس کا

---

[1] انتشار الخط العربی صفحہ ۷۵۔ ۸۰ مصنفہ سعید فتاح عبادہ مطبوعہ مصر ۱۹۱۵ء

پڑھنا مشکل ہے۔
۳۔ خط فاسی (فیز) یہ خط نمبر ایک اور نمبر دو سے ممتاز ہے۔
یہ ملک چونکہ فرانس کی سیادت میں ہیں لہٰذا اہل مغرب میں فرانسیسی خط بھی جاری ہوگیا ہے۔

۵۔ سوڈان، زنجبار، حبش، حوسیہ (Hausa)، مڈگاسکر، ملجاشیہ

ان ممالک میں جو خط جاری ہے وہ مغربی خطوط سے ماخوذ ہے۔ اور یہ عربی خط ہی حبش کا ارتباط عربوں سے نہایت قدیم ہے۔ نجاشی فرمانروائے حبش نبی کریمؐ اور مسلمانوں کا صادق دوست تھا۔

ان ممالک میں عربی خط عہد اسلام سے پھیلا ہے۔ البتہ رسم الخط ثقیل ہے اور باشندوں کی جسامت کی طرح خط بھی بھاری بھرکم ہے۔

حوسیہ کا علاقہ مغربی سوڈان کے ماتحت ہے اور ترقی کر رہا ہے۔ انہیں تاریخ ادب اور شاعری کا مذاق پیدا ہوگیا ہے۔ رسم الخط عربی ہے۔ اور مڈگاسکر اور ملجاشیہ کا عام تجارتی خط عربی ہے۔

۶۔ اندلس (اسپین)

اندلس مرحوم کا یہاں تاریخی حیثیت سے نام لیا گیا ہے۔ جب قیروان سے ممالک مغرب کا دارالخلافہ اندلس میں منتقل ہوگیا۔ تو یہاں ایک نیا خط جاری ہوا جس کو خط اندلسی یا خط قرطبی کہتے تھے۔ یہ خط شمالی افریقہ میں پھیلا اور قدیم رسم الخط فنا ہوگیا۔ اندلس کی عمارتوں پر جو کتبات ہنوز موجود ہیں وہ قدیم کوفی خط میں ہیں۔

۷۔ مملکت روس

اس کے ماتحت قازان کے صوبے ہیں جہاں اسلامی آبادی ہے۔ وہاں عربی رسم الخط جاری ہے۔ اور یہی حال دوسرے صوبوں کا بھی ہے جہاں مسلمان آباد ہیں

۸۔ فرانس

فرانس پر اسلامی قبضہ ا یہ ایک دلچسپ تاریخی بحث ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ آجتک کسی مسلمان پروفیسر تاریخ نے اس مضمون پر کچھ نہیں لکھا۔ حالانکہ فرنچ لٹریچر میں اس کا کافی مواد موجود ہے۔

ہمارا موضوع علم خط ہے لہٰذا اس سلسلہ میں ضمناً "اسلامی حکومت فرانس پر" چند سطریں لکھی جاتی ہیں۔

شمس العلماء مولانا شبلیؒ نعمانی مرحوم فرماتے ہیں۔

وہ نیزۂ خونفشاں جو چل کر
ٹھہرا تھا فرانس کے جگر پر

یہ اس تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ خلفائے اندلس (بنی امیہ) نے جب جنوبی فرانس پر عہد شارل مارٹل میں اضلاع نربونہ (Narbonne) طولوز (طلوشہ) (Toulouse) قرقسون (قرقشونہ) (carcassonne) نیم (نیمہ) (Nimeos) اور سون پر قبضہ کر کے سکونت اختیار کی ہے تو اس صوبہ میں عربی تمدن کا نہایت سرعت سے آغاز ہوا۔ اور عربی خط جاری ہو گیا۔

اس کے بعد فتوحات میں مزید وسعت ہوئی اور برغونیہ اینیوں وغیرہ پر قبضہ ہوا

لہ علم الادب عند الافرنج والعرب روحی بک الخالدی مرحوم بحوالہ انتشار الخط العربی مصنفہ سعید تماح عبادہ مطبوعہ مصر ۱۹۱۵ء

اور نہر غارون (Garonne) عبور کرکے برڈو (برغنٹ) (Bardeaux) تک فتح کر لیا۔ پھر بحر الابیض متوسط میں نہر رون اور بحر محیط میں نہر غارون تک پہنچ گئے۔ اور اس حصہ ملک میں قرآن کریم کی تعلیم جاری کی جس کا علم الخط پر خاص اثر پڑا۔

جب اس قدر ملک پر تسلط ہو گیا تو شہر انگولیم (Angollame) کونیاک (Congnac) پواتیہ (Poitieco) پر قبضہ کرکے مشہور تاریخی مقام تور (Tours) لے لیا جو نہر لوآر (Loire) پر واقع ہے۔ ان فتوحات سے دولت فرانس کا نصف حصہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔

جب تور کے مشرق میں دیجون (Dijon) اور بزان سون (Besancon) تک قبضہ ہو گیا تو اب فرانس شمالی اور جنوبی دو حصوں پر تقسیم ہو گیا۔ اور جنوبی حصہ کامل طور پر اسلامی مقبوضات میں داخل ہو گیا۔ اس حصہ ملک میں مسلمان کہیں کم اور کسی جگہ زیادہ مدت تک آباد رہے۔ اور فرانس کا بڑا حصہ مسلمان ہو گیا۔ اور مسلمانوں نے اپنی رعایا کی لڑکیوں سے رشتہ ازدواج قائم کیا۔ اور کثیر تعداد میں اولاد چھوڑ گئے۔ جنوبی فرانس کی یہ نئی نسل خط وخال میں عربوں سے اس قدر مشابہ تھی کہ وہ بلا تکلف پہچانے جاتے تھے۔ اور آج بھی شناخت ہو جاتی ہے۔

مسٹر گبن جو یورپ کا ایک نامور اور مستند مورخ ہے۔ اپنی مشہور تاریخ زوال روما میں (سنہ ۷۳۲ء کے حالات) لکھتا ہے۔ کہ عرب جبل الطارق (جبرالٹر) سے نہر لوآر تک تقریباً تین سو مرحلہ تک گئے۔ اور فتح یاب ہوئے۔ یہ عرب اگر اسی قدر اور آگے بڑھ جاتے تو حد پولونیا (مشرقی یورپ یا جبل القبوس انگلستان) میں پہنچ جاتے۔ اور جرمنی علاقہ میں انکو نہر الرین تک عبور آسان ہو جاتا۔ اس کی ٹھیک مثال یہی تھی کہ جس طرح یہ عرب دریائے فرات اور نیل عبور کر گئے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو عربی بیڑہ جہازات بلا روک ٹوک نہر ٹامس (لندن) تک پہنچ جاتا۔ کیونکہ اس زمانہ میں انگلستان کے اندر بحری بیڑہ

موجود نہ تھا۔ اور انگلستان کی حکومت مصر، شام اور تونس کے عربی بیڑوں کا مقابلہ نہیں کرسکتی تھی

علمائے اسلام کرسیوں پر بیٹھکر عیسائیوں میں قرآن کریم کا وعظ کہتے تھے۔ اور معجزات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرتے تھے۔

جب پیرس (دارالسلطنت فرانس) مسلمانوں سے دو سو چونتیس کیلومیٹر باقی رہ گیا تو شارل نے مسلمانوں پر ایک آخری حملہ کیا۔ اور میدان پواتیہ میں زبردست رن پڑا۔ یہ واقعہ ۱۱۴ھ ۷۳۲ء کا ہے۔ اس معرکہ میں اول مسلمان کامیاب ہوئے لیکن دوسرے حملہ میں انکو شکست ہوئی۔ اور نربونہ (براہ طونور و قرقسون) واپس گئے کیونکہ نربونہ اسوقت تک مستحکم تھا۔ شارل اُن کو اس جگہ سے بیدخل نہیں کرسکتا تھا۔

اس عہد میں پورے جنوبی فرانس میں عربی کتابت جاری تھی خصوصاً اطراف مارسیلیہ (Marseilles) میں۔

عجائب خانہ نربونہ میں اس وقت تک عربوں کی یادگاریں (ظروف وغیرہ) موجود ہیں۔

جبال المور (مقبوضات عرب مراد ہے) اور قسطل سارازین (سراسین) یہ فتوحات عرب کے تاریخی لفظ ہیں جو تاریخوں میں محفوظ ہیں۔ قسطل بمعنی حصن (قلعہ) ہے۔ یہ قلعہ بوردوا اور طونور کے مابین واقع تھا۔

جنگ پواتیہ کے بعد عربوں نے پھر پلٹا کھایا۔ انہوں نے سواحل مرسیلیا پر حملہ کیا۔ ۲۷۶ھ ۸۸۹ء میں قرافسینیہ (مابین دنیس وطولون) ایک نوآبادی (کالونی) قایم کی۔ اور یہاں پر دسویں صدی عیسوی تک قابض رہے۔ شادی بیاہ کا سلسلہ جاری رہا۔ اس زمین میں زراعت بھی کی۔

۳۲۴ھ ۹۳۵ء میں تارن تیزہ (Tarantaise) اور والس (Valais) میں

اس کے بعد سوئیس میں داخل ہوئے۔

۳۳۱ھ / ۹۴۲ء میں فریجوس (Frejus) اور طولون اور ساحل بحر ابیض متوسط فرانس پر چھا گئے اور حسب ذیل چار حکومتیں قایم کیں۔

۱۔ حکومت دوفنیہ (Dauphine)

شمالی بروفانس (دریائے رائن کے بائیں جانب)

۲۔ حکومت برغونیہ یا (Bourgogne)

ارض برغونیہ — دوفینہ کے جانب شمال

۳۔ حکومت فرانس کونٹہ

۴۔ حکومت قینیا۔ وسط مغربی فرانس

عربوں کی یہ مہذب حکومتیں تھیں۔ اور اپنے پڑوسیوں میں سب سے زیادہ مہذب تھے۔ فرانسیسی، اسلامی مدارس میں پڑھتے تھے جس کی تصدیق پوپ سلفسٹر ثانی کے حالات سے ہوتی ہے۔ اسی زمانہ سے فرانس میں عربی علوم و فنون کا رواج ہوا اور عربی خط جاری ہوا۔ ورنہ اس کے قبل لاطینی حروف بطور ابجد جاری تھے شعر و ادب میں عربوں کی تقلید تھی۔ اور عربی اشعار یاد کرتے تھے۔ گیارہویں صدی عیسوی تک مسلمان فقرا عربی اشعار میں مداحی کرتے تھے۔ اور سڑکوں پر عربی شعر گایا کرتے تھے۔ اہل ملک ان اشعار کا مطلب تو نہ سمجھتے تھے۔ مگر لہجہ اور طرز ادا کے عاشق تھے۔ اور ان کو خوب خیرات دیتے تھے چنانچہ عربی خط ۱۰۹۱ء تک جنوبی اطالیہ اور سسلی (صقلیہ) میں جاری رہا۔

فریڈرک ثانی کی قبر برجہ سسلی (بمقام رمّ) میں ہے۔ اس کا عربی کتبہ آجتک یادگار ہے۔

پیرس میں آج بھی نایاب کتابیں عربی کی چھپتی ہیں اور عربی اخبار علمی رسالے

جاری ہیں۔ اور مستشرقین علمی تحقیقات میں مصروف ہیں۔ یہ سب عربوں کے تصرفات ہیں۔

۹۔ لندن

دولت برطانیہ کا مرکز حکومت لندن ہے صرف مستشرقین عربی زبان میں کیمبرج یونیورسٹی میں عربی کا پروفیسر موجود ہے۔ اور اکثر مطابع میں عربی کتابیں بھی چھپتی ہیں۔ لیکن لندن، فرانس سے دوسرے درجہ پر ہے۔ اور جرمنی فرانس کا مقابلہ کر رہا ہے۔

۱۰۔ جرمنی[1]

جرمن کے اکثر مدارس میں عربی زبان کی باقاعدہ تعلیم ہوتی ہے۔ اور یہاں عربی کے مشہور فاضل موجود ہیں۔ بلکہ ہندوستان کے اکثر کالجوں کیلئے عربی کے پروفیسر جرمنی سے بلائے جاتے ہیں۔ لپزک (جرمنی) کے مطابع عربی کی نادر و نایاب کتابیں طبع کرتے ہیں۔

۱۱۔ ہالینڈ[2]

ہالینڈ مشرقی زبانوں (عربی، فارسی، چینی، سنسکرت) کا مرکز ہے شہر لیڈن کا نامور مطبع برل ہے۔ جس میں نایاب روزگار کتابیں زیادہ عربی کی چھپتی ہیں۔ اور یہاں عربی لکھنے والے بھی موجود ہیں۔

۱۲۔ امریکہ

امریکہ میں بھی عربی اخبارات جاری ہیں۔ اسی مناسبت سے تحریر بھی ہے

---

[1] جرمنی زبان کی ابجد اس کتاب کے حصہ چہارم کے صفحہ ۱۴۰ پر ملاحظہ فرمائیے۔
[2] ڈاکٹر اے۔ جے کرانکو (Drs A. J. Crancow) ہالینڈ کے باشندے ہیں۔ آپ ۱۹۳۱ء تا ۱۹۳۳ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں اسلامک اسٹڈیز کے پروفیسر تھے اب نظام دکن سے اسلامی اسٹڈیز کے سلسلہ میں وظیفہ پاتے ہیں

امریکن سیاح آج بھی بڑے شوق سے عربی اور فارسی کی نادر و نایاب قلمی کتب بڑی بڑی قیمت دیکر خرید لیتے ہیں۔

۱۳۔ جزیرہ جاوا اور ملایا

ملایا والوں نے براہ راست عربوں سے کتابت سیکھی ہے۔ البتہ ابجد کے رسم الخط میں یہ ترمیم کی ہے۔

۱۔ چ = تشا = حرف جیم میں تین نقطے۔
۲۔ غ = نجا = حرف غین پر تین نقطے۔
۳۔ ڤ = پا = حرف فے پر تین نقطے۔
۴۔ ک = جا = حرف کاف کے اوپر ایک نقطہ۔
۵۔ ن = نیا = حرف نون میں تین نقطے۔

یعنی تشا، نجا، پا، جا، نیا یہ پانچ آوازیں ہیں جن کا حروف ابجد میں اضافہ کیا ہے۔

جزیرہ جاوا کی تہجی میں حسب ذیل ترمیم کی گئی ہے۔

۱۔ ھ = ح دہ
۲۔ ھ = خ مفتوحہ
۳۔ عہ = ع مفتوحہ
۴۔ غا = ر، غ، ن کی یکجائی آواز
۵۔ غ = ف کی آواز دیتا ہے۔

دونوں جزیروں میں تجارتی مراسلت عربی خط میں ہوتی ہے۔

۱۴- ایران امیر تیمور اور آل تیمور کے عہد میں

یہ امر حیرت انگیز ہے کہ چنگیز خاں کے عہد سے امیر تیمور (۷۷۱ھ لغایت ۸۰۷ھ) تک فارسی علم ادب نے بڑی ترقی کی اور اسی زمانہ میں بہترین تاریخی تصنیفات ہوئیں اور نامور علما پیدا ہوئے۔

امیر تیمور اگرچہ ٹھیٹ سپاہی تھے۔ لیکن علم وفن کے مربی تھے۔

میر علی تبریزی کی شہرت امیر ہی کے زمانہ میں ہوئی۔ اور امیر کے چاروں شاہزادے جہانگیر سلطان، عمر شیخ سلطان، میران شاہ گورگان اور میرزا شاہ رخ مشہور خطاط تھے۔ اور شاعری سے بھی ذوق تھا۔ اور یہ جوہر ان کی اولاد میں بھی باقی رہا۔ چنانچہ شاہزادہ بایسنقر بن شاہ رخ میرزا متوفی ۸۳۶ھ شش قلم تھے انکے کتب خانہ میں چالیس خطاط ملازم تھے جو کلام مجید اور قلمی کتابیں لکھا کرتے تھے۔ اور جعفر تبریزی (شاگرد رشید میر علی تبریزی) ان سب کے افسر تھے۔

ابراہیم سلطان بن شاہ رخ میرزا بھی خوشنویس تھے۔ یزدی نے ظفرنامہ ان کے حکم سے لکھا ہے۔

بایزید بن میرزا بایسنقر بن شاہرخ کے مصاحبوں میں مولانا سیمی تھے جن کو مورخین نے اعجوبۂ زماں و نادرۂ دوراں لکھا ہے۔

سکندر میرزا بن عمر شیخ کے دربار میں مولانا معروف بغدادی ایک خطاط تھے جو اصفہان پہنچکر میرزا کے کتب خانہ میں داخل ہوگئے۔ ان کی روانی قلم کا یہ عالم تھا کہ صبح سے شام تک ڈیڑھ ہزار بیت لکھ لیتے تھے۔ ایک مرتبہ جب ان کا امتحان کیا گیا تو سارے دربار کو حیرت ہوگئی۔

امیر تیمور کی نسل میں ظہیر الدین بابر بادشاہ اور انکی اولاد کے عہد میں جو مشاہیر

خطاط ہوتے ہیں اُن کا تذکرہ **دہلی** اور آگرہ کے سلسلہ میں لکھا جائے گا۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ عہد چنگیز خاں میں خط رقاع اور نستعلیق[1] نے بڑی ترقی کی تھی۔ عہد ہلاکو خاں میں علامہ خواجہ[2] **نصیر الدین** طوسی جمیع خطوط کے ماہر تھے

۱۵- ایران کے دوسرے خاندان

مشہد اور اصفہان کے بعد خطاطی کا تیسرا مرکز شیراز (صدر صوبہ فارس) تھا اور لطف یہ ہے کہ خود فرمانروایان شیراز اہل فن تھے۔ چنانچہ خاندان اتابکان میں ابوبکر بن سعد زنگی (ممدوح سعدی شیرازی سنہ ۶۲۳ھ لغایت سنہ ۶۵۸ھ) اور خاندان مظفری میں شاہ منصور بن سلطان مظفر (ممدوح خواجہ حافظ شیرازی سنہ ۷۱۳ھ لغایت سنہ ۷۹۵ھ) اور سلطان اویس (سنہ ۷۵۷ھ لغایت سنہ ۷۷۶ھ) نستعلیق کے استاد تھے۔ اور خواجہ عبد الحیٔ ہفت قلم سلطان اویس کے شاگرد تھے۔

دور سلاجقہ (شاخ کرمان، عراق، ایشیائے کوچک) میں بھی خطاطی کی ترقی ہوئی۔

خواجہ حسن نظام الملک طوسی، وزیر ملک شاہ سلجوقی (متوفی سنہ ۴۸۵ھ) نستعلیق اور رقاع کے استاد تھے۔

سلطان سنجر سلجوقی کے عہد میں سیف الدین اسفرنگی مشہور خطاط گزرے ہیں۔

---

[1] علامہ ابوالفضل کی رائے صحیح معلوم ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو ذکر میر علی تبریزی۔

[2] علامہ خواجہ نصیر الدین طوسی سنہ ۵۹۷ھ میں طوس میں پیدا ہوئے اور سنہ ۶۷۲ھ میں وفات پائی۔ از کتاب روضات الجنات فی احوال العلماء والسادات صفحہ ۶۰۵۔

۱۶- کُردستان

کردوں کی زبان بالکل جداگانہ ہے۔ لیکن ان کا خط زمانہ دراز سے عربی ہے کردی ابجد میں عربی سے پندرہ۱۵ اور فارسی سے چار۴ حروف (پ، چ، ژ، گ) لیے گئے ہیں۔ اس خط میں (ق) پر تین نقطے لگائے جاتے ہیں۔ اور حرف (ی) کی آواز انگریزی حرف V (وی) سے مشابہ ہے۔ عربی کے حروف ث، ذ، ض، کردی ابجد میں نہیں ہیں۔

۱۷- افغانستان

ایران کے بعد افغانستان بھی گہوارۂ اسلام ہے۔ اور افغانی فطرتاً مجاہد ہیں موجودہ افغانستان برسوں کے بعد بیدار ہوا ہے۔ البتہ ہز مجسٹی **نادر خاں** فرمانروائے افغانستان کا واقعہ شہادت، افغانیوں کے دامن پر ایک بدنما دھبہ ہے لیکن حضرت **ظاہر خاں** غازی (المتوکل علی اللہ) کے عہد حکومت میں اگر انہوں نے امن وسکون سے کام لیا تو یہ عہد بھی اُن کے حق میں خیر وبرکت کا باعث ہوگا۔ تمدن ومعاشرت، صنعت وحرفت اور علوم وفنون میں افغانستان ترقی کر رہا ہے۔ دفاتر کی زبان فارسی ہے۔ لیکن بول چال پشتو ہے جس کا لہجہ نہایت سخت ہے۔

افغانستان میں جو ابجد جاری ہے اس میں چالیس۴۰ حروف ہیں جو نسخی کہلاتے ہیں اور بعض حروف کی صورتیں اور آوازیں مختلف ہیں۔

مثلاً

۱- ٹ - تائے مفعم - tt (دوہری آواز)

۲- څ = ج - تس یا تز - ts - dz

۳- ݲ = ح - دس یا دز dz - ds

۴- ݙ = د - دوہری آواز dd

۵- ݛ = ر - دوہری آواز RR

۶- ݫ = ش (ایک نقطہ اوپر ایک نیچے) zz

۷- ݭ = ش یا خ - رائے مضعفہ RR

سلاطین غوری میں ملک معزالدین محمد بن سام، نہایت زود نویس اور خوشنویس تھے۔

سلطان محمد خنداں سلطان علی مشہدی کے شاگرد رشید تھے۔ نستعلیق کے استاد مانے جاتے تھے۔

میر عبدالرحمٰن ہروی نستعلیق کے استاد تھے۔ ان کا شمار آقا عبدالرشید دیلمی کے اُن خاص شاگردوں میں ہے جن پر آقا کی خاص توجہ تھی۔

آقا سید محمد داؤد الحسینی، عہد حاضرہ کے مشہور خطاط گزرے ہیں جنکو خفی میں کمال حاصل تھا۔ چنانچہ گلستاں کا دیباچہ جس میں پانچسو پچپن ۵۵۵ کلمات اور دو ہزار دوسو ستر ۲۲۷۰ حروف ہیں اس باکمال نے ایک انچ کاغذ پر تحریر کئے ہیں۔

افغانستان میں باکمال خوشنویسوں کے علاوہ اور بھی صاحب کمال خوشنویس گزرے ہیں جنکے حالات باوجود تلاش کے دستیاب نہ ہوسکے۔ متذکرہ بالا خوشنویسوں کی قلمی وصلیاں یا اُن کے فوٹو حاصل کرنے کے لئے جناب سفیر صاحب افغانستان کی خدمت میں کئی عریضے روانہ کئے مگر نا کامیابی ہوئی جس کا مجھے سخت افسوس ہے اگر کسی ذریعہ سے یہ دستیاب ہوگئے تو اگلے ایڈیشن میں شایع ہوسکینگے۔

۱۸- پامیر

پامیر کے باشندے افغانی زبان کو عربی خط میں لکھتے ہیں۔ اسلام سے قبل

پامیر کا قومی خط پہلوی تھا۔

۱۹۔ بلوچستان اور مکران

بلوچی ابجد عربی ہے۔ لیکن اس میں فارسی سے چار حرف (پ، چ، ژ، گ) اور ہندی سے تین حرف (ٹ، ڈ، ڑ) کا اضافہ کیا گیا ہے۔

۲۰۔ ہندوستان[۱]

ہندوستان کا مشترکہ خط اُردو[۲] (اُردو رسم الخط، عربی (شاخ قیراموز) فارسی سے ماخوذ ہے) اور ہندی[۳] (ہندی کا ماخذ سنسکرت) ہے۔ ایک زمانہ میں عربی اور فارسی بھی ہندوستان میں مروج تھی جسکا اثر اب بھی کچھ کچھ باقی ہے۔ جغرافی تقسیم کے مطابق ہندوستان میں متعدد زبانیں اور اُن کی مختلف ابجدیں اور رسم الخط مروج ہیں جن میں سے اکثر زبانوں کی ابجدیں اور رسم الخط میں نے اس کتاب کے حصہ چہارم میں لکھی ہیں۔ ان پر مختصر اور مفید نوٹ بھی لکھے ہیں۔

اُردو تمام ہندوستان کی مقبول عام زبان ہے اور ہندوستان کے ہر گوشہ میں اس کے جاننے والے ہیں۔ اور یہ جس سرعت سے لکھی جاتی ہے اس کی نظیر دوسری زبانوں میں نہیں ہے۔ اور یہ فی نفسہٖ شارٹ ہینڈ کا درجہ رکھتی ہے۔

---

[۱] ہندوستان کی مردم شماری کی اخیر رپورٹ سے واضح ہے کہ ہندوستان میں دوسو پچیس (۲۲۵) زبانیں بولی جاتی ہیں۔ جس ملک میں اس قدر زبانیں بولی جاتی ہوں اُنکی کتابت کی صحیح تاریخ لکھنا ناممکن اور محال ہے۔

[۲] اُردو لشکری زبان ہے۔ ہندوستان کی تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان کے مشہور راجہ پرتھوی راج کے زمانہ سے قبل ہندوستان میں اردو کی بنیاد پڑ چکی تھی۔ چنانچہ پرتھوی راج کے

خاص درباری شاعر چند بردائی کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ بعض محققین کا خیال ہے کہ محمود غزنوی کے حملوں کے بعد ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں اردو مروج ہوئی۔ اردو آجکل ہندوستان کی خاص زبان سمجھی جاتی ہے اسی لئے جرمنی، جاپانی، افغانی اور کئی حکومتوں نے اردو کورس اپنے مدارس میں جاری کر دئے ہیں کہ ہندوستان کی تجارت میں اس کے ذریعہ مدد مل سکے۔

۵۶ ہندوستان میں مہاراجہ بکرماجیت (۵۶ برس قبل مسیح) کے عہد میں درباری زبان سنسکرت (دیو بانی یا زبان الٰہی) اور بازاری زبان پراکرت (طبعی، غیر مہذب) تھی جس کا ثبوت ملک الشعرا کالیداس کا ناٹک شکنتلا ہے۔ اس کے بعد بدھ مذہب کی ترقی سے مگدھ دیس کی پراکرت کا ہندوستان میں عروج ہوا اور یہ حالت دسویں صدی عیسوی تک قائم رہی۔ شہاب الدین غوری کے عہد ۱۱۹۱ء میں ملک کی تقریری زبان پراکرت درجہ سے گر کر ہندی بھاشا ہو چکی تھی۔ (جس کا دوسرا نام برج بھاشا ہے) مگر جب ترکی، افغانی اور ایرانی نسلوں سے ہندوؤں کا میل جول ہوا تو بھاشا میں فارسی، عربی الفاظ دخیل ہو گئے جس کی نظیر چند کوی شاعر کی کتاب "پرتھی راج راسا" ہے۔ اس کے بعد خلجیوں کے عہد میں حضرت امیر خسروؒ (المتوفی ۷۲۵ھ ۱۳۲۵ء) نے اپنی تصانیف کے ذریعہ اس کو اور ترقی دی۔

۱۴۸۸ء بہلول لودھی کے عہد میں ہندوؤں خصوصاً کایستھوں نے فارسی میں بڑی ترقی کی۔ اور شاہی دفاتر میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوئے۔ گویا اس دور میں تمام ہندوستان کی دفتری زبان پر عربی اور فارسی کے الفاظ کی حکومت تھی۔ اور ہندی نظم کا رنگ بھی غالب تھا۔ چنانچہ کبیر داس بنارسی کے دوہرے گرو نانک صاحب کی تصانیف اور بابا تلسی داس کی رامائن وغیرہ۔

بابر خصوصاً اکبر اعظم کے عہد میں مسلمانوں نے سنسکرت اور بھاشا میں انتہائی ترقی کی۔ ملک محمد جائسی کی رامائن۔ شاہزادہ دریال اور عبدالرحیم خانخاناں کی بھاشا نظمیں آج بھی یادگار ہیں جہانگیر نے بھاشا کی اعلیٰ نظموں پر انعامات دیکر شاعروں کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ غواصی، ملا نوری، شیخ شاہ محمد بلگرامی جہانگیری دور کے بھاشا زبان کے مشہور شاعر گزرے ہیں۔ (بقیہ صفحہ ۱۲۵ پر ملاحظہ ہو)

ہندوستان کی کئی ابجدیں مثلاً پالی، ماگدھی وغیرہ باوجود شدید تلاش اور جستجو کے دستیاب نہ ہوسکیں۔ اس لئے مجبوراً بعض زبانوں کے رسم الخط ہی لکھنے پر اکتفا کی گئی۔

۳۸۔ لکھنؤ اور خطاطی

دولت مغلیہ کی وزارت کا شرف اول ناظمان (صوبہ داران) اودھ کو حاصل ہوا جو ترقی کے مدارج طے کرکے پہلے وزیر اودھ کہلائے۔ اور نواب غازی الدین حیدر خاں کے عہد (سنہ ۱۸۲۹ء) میں شاہ اودھ[۱] ہوگئے۔

اگرچہ یہ مسلمہ اصول ہے کہ خود وزرار، اپنی گورنمنٹ میں باعث ترقی ملک و دولت ہوتے ہیں۔ اور علوم و فنون کی اشاعت وزرار کی ذات سے ہوا کرتی ہے لیکن شاہان اودھ، قدم قدم پر دولت مغلیہ کے مقلد تھے۔ اور وہ اپنے دارالسلطنت فیض آباد و لکھنؤ کو دہلی کا نمونہ بنانا چاہتے تھے۔ چنانچہ اسی ضرورت سے دہلی کے اہل کمال، لکھنؤ

(بقیہ صفحہ ۱۲۴) شاہجہاں کے عہد سنہ ۱۶۲۸ء میں یہی زبان ترقی کرکے اردوئے معلیٰ کے خطاب سے ممتاز ہوئی جو آج تک گورنمنٹ برطانیہ کے عہد میں بھی مروج ہے اور ملک کی عام زبان سمجھی جاتی ہے بلکہ گورنمنٹ برطانیہ کے حکومت کے ابتدائی دور میں مسٹر فرگسن اور جنرل ولیم پاترک کی لغات اردو کا خاص تصانیف میں شمار ہوتا ہے۔ جو سنہ ۱۷۷۳ء اور سنہ ۱۷۸۵ء میں بمقام لندن شایع ہوئی تھیں۔ اس کے بعد انیسویں صدی میں بمقام کلکتہ (دارالسلطنت ہند) فورٹ ولیم میں اردو کا بیت الحکمت قایم ہوا۔ اور ڈاکٹر جان گلکرسٹ اس کے سکریٹری مقرر ہوئے۔ انہوں نے ہندوستان کے ادیب جمع کرکے اردو کی بہترین تصانیف تیار اور طبع کرائیں۔ گورنمنٹ برطانیہ کے عہد (سنہ ۱۸۳۵ء) میں شاہی دفتر فارسی سے اردو ہوگیا اور اردو زبان تعلیمی زبان قرار پائی۔ اقتباس از نظام الملک طوسی مصنفہ جناب مولانا محمد عبدالرزاق صاحب مورخ کانپوری

[۱] (صفحہ ہذا) جامع التواریخ قاضی فقیر محمد۔ مطبوعہ کلکتہ

میں جمع کیے گئے۔ اور شاہانہ قدر دانیوں سے وہ لکھنؤ کے ہو رہے۔ اور یہ واقعہ ہے کہ لکھنؤ نے انتہائی ترقی کی اور مشرقی تہذیب و تمدن کا وہ بہترین اور آخری نمونہ تھا جو تمدن کے بعض شعبوں میں دہلی پر فوق لیگیا۔ یہ ایک دلچسپ تاریخی بحث ہے لیکن اس موقع پر مجھے صرف یہ دکھانا ہے کہ فی الحقیقت لکھنؤ خطاطی کا (لاہور۔ آگرہ۔ دہلی کے بعد) چوتھا مدرسہ تھا۔

مغل فرمارواؤں کا یہ نصب العین تھا کہ وہ ولی عہد اور سلاطین کی تعلیم میں انتہائی سعی کرتے تھے۔ عام تعلیم اور فنون سپہ گری کے بعد انکو خطاطی خاص طور پر سکھائی جاتی تھی۔ اور جو اتالیق مقرر کیا جاتا تھا اس کے لئے خوشنویس ہونا لازم تھا۔ اور اگر اتفاق سے معلم اس صنعت سے خالی ہوتا تو تعلیم خط کے لئے کوئی نامور خطاط مقرر کیا جاتا تھا۔

علاوہ بریں اس زمانہ میں چھاپہ خانے نہ تھے۔ قدیم و جدید تصنیفات کی کتابت کے لئے نامور خطاط تلاش کیے جاتے تھے۔ اور شاہی کتب خانہ میں کافی تعداد میں خوشنویسوں کا مجمع رہتا تھا۔ جن پر ایک نامور خوش نویس افسر ہوتا تھا جس کی تقلید ارکان سلطنت بھی کرتے تھے۔ تیسری اشد ضرورت یہ تھی کہ دفتر انشار (سکرٹریٹ) میں کوئی صیغہ دار (اہلمد یا کلرک) اس وقت تک مقرر نہ ہوتا تھا جب تک کہ وہ خوشنویس نہ ہو۔ اور اس دفتر میں ایک فرمان نویس یا سند نگار بھی ہوتا تھا جو اپنے زمانہ کا استاد ہوتا تھا۔ اور اسی کے قریب قریب وہ خطاط ہوتا تھا۔ جو اہم عصر سلاطین کے معاملات یا دوستانہ خطوط لکھا کرتا تھا۔ چوتھی ضرورت قصر و ایوان کی آرائش تھی بیش قیمت ساز و سامان (فرنیچر) کے علاوہ دیوان عام وغیرہ کی آرائش قلمی تصاویر، مرقعوں اور وصلیوں سے کی جاتی تھی جن شاہوں میں مذہبی جذبہ غالب ہوتا تھا۔ ان کے محلات میں آیات قرآنی، احادیث نبوی، اور اقوال ائمہ و حکما کی وصلیاں زیادہ ہوتی تھیں۔ اخیر میں قطعات، رباعیات

اور بہترین اشعار اور نثر کی وصلیاں بھی باعث زینت قرار پائیں۔ اور اس ضرورت سے وصلی سازی کے بکثرت کارخانے تھے۔ جن میں سادہ، منقش اور طلائی، روپہلی وصلیاں تیار ہوتی تھیں۔ اور زمانہ دراز تک اُن کے نقش و نگار میں فرق نہ آتا تھا۔

رفاہِ عام اور دوسری سرکاری ضرورتوں سے تمام ممالک محروسہ میں ہر روز جدید عمارتیں (مساجد، خانقاہیں، پُل وغیرہ) بنا کرتی تھیں۔ ان عمارات پر عربی، فارسی کے کتبات مختلف خطوط میں لکھے جاتے تھے۔ (اور اسی سلسلہ میں مہر کنی بھی داخل ہے جس کے لئے خوشنویسی ضروری ہے۔) بہرحال یہ اسباب تھے جن کی بنا پر خطاطی جزو تمدن بن گئی تھی اور فرمانروا فن کتابت کو ترقی دینے پر مجبور تھے۔ اس عہد میں خط ثلث، نسخ، نستعلیق اور شفیعہ جاری تھا۔ اور کہیں کہیں عمارات پر خط کوفی بھی نظر آتا تھا۔ اس مختصر تمہید کے بعد اب ہم اساتذہ لکھنؤ کے مختصر حالات قلمبند کرتے ہیں۔

لکھنؤ میں خطاطی کی تاریخ نواب شجاع الدولہ (جلال الدین حیدر) سے شروع ہوتی ہے جن کا عہد حکومت سنہ ۱۱۶۶ھ سے سنہ ۱۱۸۸ھ تک رہا۔ یہ اودھ کے تیسرے ناظم اور پہلے وزیر تھے۔

اس زمانہ میں خطاطی کے استاد منشی چندر بھان اور منشی سیج بھان تھے یہ دونوں نستعلیق میں آقا عبدالرشید دیلمی کے شاگرد تھے۔ اور خط شکستہ میں کفایت خاں کے۔ ان میں منشی چندر بھان بہت مشہور ہیں۔ برہمن تخلص تھا۔ کتاب چہار چمن اُن کی یادگار ہے۔ سنہ ۱۰۸۳ھ میں بمقام لکھنؤ فوت ہوئے۔ ان دونوں کی سینکڑوں وصلیاں لکھنؤ میں آج تک موجود ہیں۔

اس دور کے دوسرے استاد میر محمد عطا حسین خاں مرصع رقم ہیں۔ یہ

چہار درویش کے مصنف ہیں۔ یہ کتاب نواب شجاع الدولہ بہادر کے حکم سے تصنیف کی تھی۔ جو اردو کی ایک مستند و مقبول کتاب ہے۔ تحسین تخلص تھا۔ یہ محمد باقر طغرا نویس کے صاحبزادے تھے۔ ان کا سلسلہ شاگردی کس استاد سے ملتا ہے تحقیق نہیں ہوا۔ نسخ، نستعلیق اور شفیعہ میں کامل تھے۔

شجاع الدولہ کے بعد نواب آصف الدولہ (محمد یحییٰ مرزا امانی) مسند نشین ہوئے۔ ان کا عہد ۱۱۸۸ھ سے ۱۲۱۳ھ تک رہا۔ اس زمانہ میں خوشنویسی کو لکھنؤ میں بڑا عروج ہوا۔ اور اس کا یہ سبب تھا کہ حافظ[1] نور اللہ اور قاضی نعمت اللہ لاہوری جو آقا عبد الرشید کے سلسلہ[2] شاگردی میں داخل تھے۔ اسی زمانہ میں وارد لکھنؤ ہوئے۔ اور نواب آصف الدولہ نے دونوں کی قدردانی کی۔ قاضی نعمت اللہ کو اتالیقی پر مقرر کیا۔ اور حافظ نور اللہ دفتر انشا میں افسر ہوئے۔ اور ان دونوں نے فن خطاطی میں وہ ترقی کی کہ لوگ اساتذہ سلف کو بھول گئے۔ حافظ کی وصلیاں ان کی حیات میں ایک ایک اشرفی کو فروخت ہوتی تھیں۔ اور مشقی وصلیاں ایک روپیہ حرف کے حساب سے بکتی تھیں۔ نواب کے حکم سے گلستاں لکھنی شروع کی تھی مگر وہ ناتمام رہ گئی۔ یہ گلستاں بھی میر عماد کی گلستاں کی طرح عدیم المثال تھی۔ البتہ ہفت بند کاشی مشہور ہے جس کو اکثر اہل علم نے دیکھا ہے۔

حافظ کے شاگردوں میں حافظ ابراہیم، (یہ حافظ صاحب کے صاحبزادے تھے) منشی سرب[1] سکھ دیوانہ، میاں وجیہ[2] اللہ اور محمد عباس مشہور ہیں۔ انہیں

---

[1] حافظ نور اللہ نے آقا عبد الرشید کی قلمی ہفت بند کاشی کی نقل کی تھی۔

[2] براہ راست شاگردی نصیب نہیں ہوئی کیونکہ آقا کو فوت ہوئے ایک صدی گزر چکی تھی۔ اور مولانا غلام محمد دہلوی کے تذکرہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ نور اللہ، آقا کے مقلد تھے ممکن ہے کہ آقا کی وصلیوں سے فائدہ اٹھایا ہو۔

شاگرد رشید کا درجہ حافظ ابراہیم ہی کو حاصل تھا۔ ابراہیم نے مجتہدانہ کمال پیدا کیا۔ اور یہ جدت کی کہ دوائر حروف میں بجائے مدور کے خفیف سی بیضاویت نکالی جسکو عام قبولیت ہوئی۔

کائستوں اور کشمیریوں میں جو نامور خوشنویس ہوئے ہیں ان میں منشی سرب سکھ کے شاگردوں کی تعداد زیادہ ہے۔ اور منشی صاحب کی وصلیاں ہنوز بکثرت موجود ہیں۔

حافظ ابراہیم کے شاگردوں میں حقیقی جانشین انکے صاحبزادے حافظ سعید الدین تھے۔ اور دوسرے نامور شاگرد منشی عبد المجید خریطہ نگار تھے۔

خریطہ نگاری دفتر انشاء کی اصطلاح ہے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی جو ہندوستان میں دولت برطانیہ کی جانب سے حکمران تھی۔ اس کے وکلا جو دربار اودھ اور قلعہ معلی دہلی میں حاضر رہتے تھے وہ رزیڈنٹ یا صاحب کلاں بہادر کہلاتے تھے چنانچہ اُن سے جو سرکاری مراسلت فارسی میں ہوتی تھی وہ مراسلے یا شقے خریطہ کہلاتے تھے۔ زرافشاں کاغذ پر جو نہایت سفید چکنا، گھٹا ہوا، اور موٹا ہوتا تھا۔ یہ خریطے لکھے جاتے تھے۔ اور طلائی ٹکلیوں سے ان کی رونق دوچند ہو جاتی تھی۔

ہندوستانی ریاستوں میں ہنوز صاحب کلاں موجود ہیں۔ لیکن اب بجائے فارسی کے انگریزی میں مراسلت ہوتی ہے۔ اور خرایط کا کاغذ بھی معمولی رہ گیا ہے۔ عہد قدیم کے خرایط انشاء اور کتابت کا اعلیٰ نمونہ ہوتے تھے۔

خیر یہ ایک جملہ معترضہ تھا۔ پچھلے دور میں حافظ ابراہیم کے دو شاگرد بہت مشہور ہوئے اور افضلیت میں یہ فخر لکھنو تھے۔

ایک منشی ہادی علی (ان کے بزرگ دہلوی تھے) دوسرے منشی پنڈت ضیارام کشمیری۔ ہادی علی علاوہ نستعلیق کے طغرا نگاری میں بھی فرد تھے۔ ان کے قلم کی متعدد فارسی درسی کتابیں طبع ہو کر شایع ہو چکی ہیں۔ منشی شمس الدین اعجاز رقم

انہیں کے شاگرد رشید تھے۔ چند سال ہوئے کہ اعجاز رقم کا انتقال ہوگیا۔ انہوں نے فن خوشنویسی پر کئی رسالے لکھے ہیں جو عام طور سے بازار میں ملتے ہیں۔ اعجاز رقم کا اس وقت تک کوئی جانشین پیدا نہیں ہوا۔ اور لکھنؤ میں آج جس قدر خطاط ہیں ان میں اکثر اعجاز رقم ہی کے شاگرد ہیں۔

نسخ نگاروں میں منشی حامد علی تھے۔ یہ بھی حافظ ابراہیم کے شاگرد تھے۔ قاضی نعمت اللہ کے شاگرد رشید انکے بیٹے مولوی محمد اشرف اور مولوی قل احمد تھے۔ ان کے شاگردوں کا سلسلہ ابھی باقی ہے۔

ان اساتذہ کے بعد آقا عبدالرشید دیلمی کے مقلدین میں میرزا محمد علی بن میرزا خیر اللہ فرمان نویس کا درجہ ہے۔ یہ بھی عہد آصف الدولہ میں تھے ان کی قلمی گلستاں اور لباب پندنامہ مشہور ہے جو نواب وزیر علی خاں کے حکم سے لکھی گئی تھی۔

میرزا کے شاگردوں میں نعمت اللہ، خلیفہ بخش اللہ اور میر نثار علی مشہور رہے۔

خط شکستہ میں میرزا احمد طباطبائی (از اولاد نواب مرید خاں) استاد تھے یہ بھی عہد آصف الدولہ میں تھے۔ ان کے علاوہ کتابت خاں، میر سید علی خاں، حاجی قاسم، حافظ محمد خورشید، محمد نصیر الدین (منشی حسین آباد) اور محمد بہار اللہ بھی لکھنؤ کے مشہور خطاط تھے۔

اور طبقہ علما میں علامہ تفضل حسین خاں (عہد آصف الدولہ) نستعلیق اور شکستہ کے استاد تھے۔ یہ نواب سعادت علی خاں کے زمانہ تک زندہ رہے اور انشاء اللہ خاں (شاعر) دہلوی سے انکی بڑی دوستی تھی۔

دولت مغلیہ کے زوال پر جب ہندوستان پر برطانیہ کا قبضہ ہوا، تو قدرتی

اسباب سے خطاطی میں کمی شروع ہوگئی۔ اور اُن کا ذریعہ معاش معلمی اور وصلیاں نگاری رہ گیا۔ یا شاذ و نادر امرا کی فرمایش سے کوئی مستقل کتاب اجرت پر لکھا کرتے تھے اور یہ کتابیں بھی مخصوص تھیں مثلاً گلستاں، بوستاں، مثنوی معنوی، شاہ نامہ اور دیوان حافظ۔ اور اخیر زمانہ میں عاشقانہ مثنویاں بھی لکھائی گئیں جن میں تصاویر کا بھی اہتمام ہوتا تھا۔ معمولی معاوضہ کے ساتھ بعض امرا انعام و خلعت بھی عنایت کرتے تھے۔

لیکن جس قدر دولت برطانیہ کی ترقی ہوئی اسی تناسب سے مشرقی تمدن میں ضعف شروع ہوا۔ اور فوٹوگرافی کی ایجاد سے محلات میں وصلیوں کی جگہ فوٹو نصب ہونے لگے۔ بس زوال خط کا یہ دیباچہ تھا۔

اس کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی نے قلعہ فورٹ ولیم (کلکتہ) میں چھاپہ خانہ قایم کیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ نستعلیق ٹائپ بھی ایجاد ہوا۔ اس ٹائپ کے موجد جان گل کرسٹ (منیجر مطبع کمپنی) تھے۔ اور یوروپین عہدہ داران اور فوجی سپاہیوں کے لئے ٹھیٹ ہندوستانی زبان میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری ہوا۔ انگریزوں کا اردو زبان پر اگرچہ یہ عظیم الشان احسان تھا۔ لیکن پریس کی ترقی نے حقیقی خوشنویسی کو فنا کردیا۔

اودھ کی سلطنت ہنوز قایم تھی۔ نواب غازی الدین حیدر ۱۲۲۹ھ-۱۲۴۳ھ / ۱۸۱۴-۱۸۲۷ء نے لکھنؤ میں اعلیٰ پیمانہ پر مطبع جاری کیا جس کا منیجر ارسل نامی یوروپین (شاگرد جان گلکرسٹ) تھا۔ اس مطبع میں بڑے اہتمام سے ہفت قلزم جیسی نادر کتابیں ٹائپ میں

کلکتہ میں مطبع گلدستہ نشاط نے بھی اردو ٹائپ میں بہت کتابیں شائع کیں۔ ایک کتاب قصہ گل باصنوبر ۱۸۴۱ء میں اس مطبع نے چھاپی ہے جو خدا بخش کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

طبع ہوئیں۔ لیکن حسن پرستوں نے ٹائپ کو ناپسند کیا اور یہ حروف کسی طرح نظر فریب نہ ہوئے۔ اس بنا پر شاہی مطبع ترقی نہ کر سکا۔ لیکن شاہی مطبع کی تقلید میں تجارتی مطابع قایم ہونا شروع ہوئے۔ حاجی حرمین شریفین اور حاجی مصطفےٰ خاں نے الگ الگ مطبع قایم کیے۔ مصطفائی مطبع نے طویل عمر پائی۔ اور نادر کتابیں چھاپیں۔ ان کتابوں کا کاغذ دیسی تھا جو کاپی وغیرہ میں تیار ہوتا تھا۔ جو خوشنویس خانہ نشین ہو گئے تھے، ان کو بہ منت رضا مند کیا گیا۔ اور کاپی نویسی کا آغاز ہوا۔ اور اہل مطابع میں تجارتی مقابلے شروع ہو گئے۔ اس ترکیب سے مردہ خوشنویسی پھر زندہ ہو گئی۔ جس مطبع کے خطاط زیادہ ذی علم مستند اور نامور تھے وہ مطبع زیادہ کامیاب ہوا۔ منشی ہادی علی بھی اسی عہد کے نامور استاد تھے۔ اجرائے مطابع سے خوشنویسوں کی معاش کی صورت تو نکل آئی۔ لیکن اب وہ خطاطی نہ تھی جو اس کے قبل تھی۔ کیونکہ جو استاد تمام دن میں صرف ایک وصلی لکھتے تھے اب انکو مجبوراً کم از کم آٹھ صفحے لکھنے پڑتے تھے۔ سب سے آخر میں منشی نولکشور کا مطبع قایم ہوا۔ لفٹنٹ گورنر الہ آباد نے ترجمہ تعزیرات ہند چھاپنے کیلئے پیشگی رقم دیکر یہ مطبع قایم کرایا تھا۔ اسی ایک کتاب سے منشی صاحب مالا مال ہو گئے اور آن کا مطبع تجارتی حیثیت سے ہندوستان میں سب سے بڑا مطبع سمجھا گیا۔ اور اس پریس نے بلاشبہ علوم عربی اور فارسی کو زندہ کر دیا۔ البتہ صحت کا انتظام نہ ہو سکا۔ موصوف کے مطبع میں منشی اشرف علی اشرف، منشی امیر اللہ تسلیم، منشی کالکا پرشاد موحد، منشی گوبند پرشاد فضا اور منشی شمس الدین اعجاز رقم مشہور کاتب تھے جن کی لکھی ہوئی کتابوں کے صدہا پتھر ہنوز مطبع میں موجود ہیں۔ جب ذخیرہ ختم ہو جاتا ہے تو دوبارہ انہیں پتھروں سے پھر کتاب چھپ جاتی ہے۔ گلستاں (نوشتہ اعجاز رقم) اور اخلاق جلالی (نوشتہ کالکا پرشاد موحد) اسی قسم کی کتابوں میں داخل ہیں۔

لکھنؤ کے بعد کانپور میں مطبع مسیحائی قایم ہوا۔ یہ بھی خوب چھاپتا تھا۔ اس مطبع کا مالک ایک عیسائی مسمی آرچر تھا۔ یہ کلکتہ کا تعلیم یافتہ تھا۔ جب اس مطبع کی شہرت ہوئی تو شاہ اودھ نصیر الدین حیدر نے اسکو لکھنؤ میں طلب کرکے شاہی مطبع کا منیجر مقرر کیا۔ ۱۸۴۸ء میں لکھنؤ میں بارہ غیر سرکاری مطابع تھے۔ دوسرا مطبع کانپور میں حاجی محمد حسین کا تھا۔ اس کے بعد حافظ حاجی عبد الرحمٰن نے کانپور میں مطبع نظامی قایم کیا۔ حافظ صاحب حاجی مصطفیٰ خاں کے چھوٹے بھائی اور اور تربیت کردہ تھے۔ اس مطبع نے بھی بڑا عروج پایا۔ صحت میں مطبوعات نظامی پریس ضرب المثل تھیں۔ اور منشی رحمت اللہ رعد کا نامی پریس اخیر میں سب پر فوق لیگیا۔ اس مطبع کا نامور خطاط منشی بالک رام گہر لکھنوی تھا۔ لکھنؤ اور کانپور کے بعد دہلی اور آگرہ کے مطابع ہیں۔ مطبع مفصلیت گزٹ آگرہ (سر سید احمد خاں مرحوم نے اپنا رسالہ "اسباب بغاوت ہند" غدر ۱۸۵۷ء اسی مطبع میں طبع کرایا تھا) مطبع مفید عام آگرہ۔ مطبع الٰہی آگرہ۔ اور مطبع مجتبائی دہلی کا نام لینا کافی ہے۔ علاوہ بریں غدر ۱۸۵۷ء کے قبل اور اس کے بعد دہلی میں جو مطبع تھے۔ ان کے کارنامے بھی یادر کھنے کے قابل ہیں۔ لیکن وہ زمانہ قریب ہے جب قدیم خوشنویسی فنا ہو جائیگی کیونکہ ہندی کے مقابلہ میں اردو اسوقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی ہے جبتک نستعلیق ٹائپ کا عام رواج نہ ہو۔

حتی الوسع زمانہ حال کے اساتذہ کی وصلیاں جمع کرنے کی ضرورت ہے تاکہ یہ ذخائر بھی یادگار رہیں۔ چنانچہ احقر کے پاس قدیم اور جدید اساتذہ کی وصلیاں کافی تعداد میں موجود ہیں۔ بلکہ چند مشہور اساتذہ کی وصلیوں کے فوٹو بلاک اس کتاب کے حصہ چہارم میں موجود ہیں۔ ان کے علاوہ اگلے ایڈیشن میں اور وصلیوں کے بلاک بھی شایع کیے جائیں گے۔

۳۹۔ دولتِ مغلیہ میں علمِ خط کی ترقی

دارالسلطنت دہلی اور دارالسلطنت اکبرآباد (آگرہ)

۱۔ ظہیر الدین محمد بابر

سنہ ۹۳۲ھ تا سنہ ۹۳۷ھ

بابر کے قبضہ سے قبل، ہندوستان میں اسلامی تہذیب و تمدن کی تکمیل نہیں ہوئی تھی۔ اگرچہ سلاطین ماسبق نے بہت کچھ ترقی کی تھی۔ لیکن پھر بھی ہندوستان جنت نشان بابر کو یاد کر رہا تھا۔ اس عہد میں جو ظلمت تھی، اس کی تفصیل تزک بابری میں قابل ملاحظہ ہے۔ عہد بابری میں صنعت حرفت، زراعت، تجارت، علوم و فنون، معاشرت اور خانگی زندگی میں کافی ترقی ہوئی۔ جس کی ہند کے باشندوں نے تقلید کی۔ اور تہذیب دفاتر کے سلسلہ میں علم الخط کی بنیاد پڑی

بابر خود بھی خوشنویس تھے۔ اور ان کا سلسلۂ شاگردی میر علی تبریزی سے ملتا ہے۔ ترکی خوب لکھتے تھے اور ایک خاص خط کے موجد بھی تھے جو اُن کے نام سے (خط بابری) مشہور ہے۔ عہد ہمایوں میں خط بابری کے مشہور استاد اور کاتب میر عبدالحئی مشہدی اکبرآبادی تھے۔

بابر کے[۱] بعد انکی نسل میں اوّل سے اخیر تک شاہزادوں میں خوشنویسی باقی

۱؎ اس دور سے پہلے کے مشہور خوشنویس یہ تھے۔

۱۔ مولینا محمد کاتبی محض کتابت سے کاتبی کہلائے۔ شاعر بھی تھے ۸۳۸ھ میں وفات پائی استرآباد میں دفن ہوئے۔

۲۔ مولانا خواجہ عبداللہ مروارید رقم ابن خواجہ شمس الحق والدین محمد مروارید شاعر بھی تھے (بقیہ صفحہ ۱۴۵ پر ملاحظہ کیجئے)

رہی۔ اور نہ صرف شاہزادے بلکہ شاہزادیاں بھی خوشنویس تھیں جن کی لکھی ہوئی سینکڑوں وصلیاں ہنوز موجود ہیں۔ اور ان کا جداگانہ تذکرہ لکھا جا سکتا ہے۔
۱۔ گلبدن بیگم۔ ۲۔ جہان آرا۔ ۳۔ نورجہاں۔ ۴۔ زیب النساء وغیرہ اسی طبقہ میں داخل ہیں۔

۲۔ نصیر الدین محمد ہمایوں

سنہ ۹۳۷ھ لغایت سنہ ۹۶۳ھ

بابر نے اپنے عہدِ حکومت میں ترقی کی جو داغ بیل ڈالی تھی ہمایوں نے اسکی تکمیل میں سعی کی، اس عہد کے نامور خطاط خواجہ سلطان علی تھے جنکو شہنشاہ اکبر نے اپنے زمانہ میں افضل خاں کا خطاب دیا تھا۔

۳۔ جلال الدین محمد اکبر

سنہ ۹۶۳ھ لغایت سنہ ۱۰۱۴ھ

شہنشاہ اکبر کا عہدِ حکومت، دولتِ مغلیہ کا عہدِ زریں ہے۔ اس دور میں ہندوستان نے کس قدر ترقی کی اسکی تفصیل کیلئے تصانیف علامہ ابو الفضل خصوصاً آئین اکبری[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۴) بیان تخلص تھا۔ مدتوں وزارت کی خط تعلیق کے استاد تھے سنہ ۹۲۲ھ میں وفات پائی۔

۳۔ مولانا ضیاء الدین یوسف بن مولانا عبدالرحمن جامی علی الکاتب کی روش پر لکھتے تھے نستعلیق کے استاد تھے۔ ان کا شمار حفظہ علماء میں ہوتا ہے۔ شرح جامی انہیں کے واسطے مولانا نے لکھی تھی۔ تقریباً سنہ ۹۰۰ھ میں انتقال کیا۔

[1] آئین اکبری کا سب سے بہتر مطبوعہ نسخہ وہ ہے جس کو سر سید احمد خاں بہادر نے بعد تحشیہ دہلی میں طبع کرایا تھا۔ کلاں تقطیع ہے اور مصور ہے۔ اب یہ نسخہ نایاب ہے۔

ملاحظہ طلب ہے۔

اکبر اعظم اگرچہ برائے نام لکھے پڑھے تھے۔ لیکن خدا نے انکو شاہانہ دماغ عطا کیا تھا۔ وہ نئی نئی تجویزیں سوچتے تھے جس کی تکمیل وزرائے دولت کرتے تھے۔

شاہان اسلام میں خلیفہ ہارون الرشید عباسی کے بعد جن فرمانرواؤں کو قابل ترین عہدار میسر آئے تھے ان میں ایک اکبر بھی تھے۔

اس عہد میں بھی نامور خطاط پیدا ہوتے۔ جنکو اکبر نے جاگیر، منصب اور خطابات سے سرفراز کیا۔ اور دفتر انشا میں مختلف عہدوں پر مقرر کر کے ان کی حوصلہ افزائی کی

اس عہد کے مشہور خطاط حسب ذیل ہیں۔

۱۔ محمد اصغر ہفت قلم | یہ کاتب اشرف خاں کے نام سے مشہور تھے۔ عرب کے سید تھے۔ خاص خاص فرامین لکھتے تھے۔ اکبر کے میر منشی اور ہفت قلم تھے۔ خط تعلیق کے خاص استاد اور طبقۂ امرا میں داخل تھے ۹۸۳ھ میں انتقال کیا۔

۲۔ خواجہ عبدالصمد[1] شیریں قلم | خواجہ نظام الملک وزیر شاہ شجاع شیرازی کے بیٹے تھے۔ نستعلیق کے استاد اور مصور بھی تھے۔ یہ شاعر بھی تھے۔ ایک وصلی بادشاہ کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے بڑی محنت سے تیار کی تھی جس پر یہ رباعی تھی۔

میلم بہ شراب ناب باشد دایم　　٭　　گوشم بہ نے و رباب باشد دایم
گر خاک مرا کوزہ گراں کوزہ کنند　　٭　　آں کوزہ پر از شراب باشد دایم

۳۔ علامہ میر فتح اللہ شیرازی | اکبری نورتن میں میر فتح اللہ کا شمار درجہ اعلیٰ میں ہے ہر علم و فن کی مجلس میں یہ صدر نشین تھے۔ خوشنویسی اُن کے کمالات کا ایک ادنیٰ درجہ تھا ۹۹۰ھ میں بمقام کشمیر انتقال کیا۔

[1] یہ ہمایوں کے دربار کے خوشنویس تھے اور اکبر کے عہد میں چہار صدی منصب عطا ہوا اور فتح پور سیکری کی ٹکسال کے افسر اعلیٰ مقرر ہوئے نخشی اش کے دانے پر سورۂ اخلاص لکھی تھی اکبر نامہ صفحہ ۹۵ اور آئین اکبری صفحہ ۱۱۸ ملاحظہ فرمائیے۔

۴۔ محمد حسین کشمیری زرین رقم نستعلیق کے استاد تھے۔ اکبر نے زرین رقم کا خطاب دیا تھا لیکن ابوالفضل نے ان کو جادو رقم لکھا ہے مدات و دوائر میں اپنے استاد مولانا عبدالعزیز سے بڑھ گئے تھے میر علی کے ہم پلہ سمجھے جاتے تھے۔ اکبر کے حکم سے آئین اکبری کا پورا نسخہ لکھا تھا جس میں مشہور مصوروں نے تصویریں بنائی تھیں۔ اس نسخہ پر تین لاکھ روپیہ صرف ہوا تھا۔ یہ نسخہ اُجین میں تھا جو قریب ہی زمانہ میں دس[۱] ہزار روپیہ میں فروخت ہو کر لندن گیا۔ ۱۰۲۰ھ میں انتقال کیا۔

۵۔ مظفر علی ان کا خطاب مظفر خان تھا۔ فن خطاطی کے ماہر تھے اور طبقۂ امرا میں داخل تھے ۹۸۸ھ میں انتقال کیا۔

۶۔ خنجر بیگ چغتائی خطاطی کے علاوہ موسیقی اور علوم حکمت و نجوم میں کامل تھے طبقہ امرا میں داخل تھے یہ ہمایوں کے ساتھ آئے تھے تردی بیگ خان کے داماد[۲] تھے فنون سپہ گری میں خاص شہرت رکھتے تھے شاعر تھے خنجر تخلص کرتے تھے منتخب التواریخ میں ایک مثنوی ہے جس میں انہوں نے بادشاہ کو نصیحت کی ہے۔

۷۔ راجہ ٹوڈر مل کھتری[۳] اکبر کے دیوان اعلیٰ تھے ستر[۱]ہ سال تک خدمت دیوانی پر ممتاز رہے حساب دانی میں میر فتح اللہ کے بعد اُن کا درجہ تھا بندوبست اراضی کا پورا قانون میر فتح اللہ کے مشورہ سے مرتب کیا تھا جس پر تمام ہندوستان میں آج تک عملدرآمد ہے خوش نویسی کے ساتھ زود نگار بھی تھے ۹۹۸ھ میں فوت ہوئے۔

۸۔ میرزا عبدالرحیم خان خاناں[۴] نامور امیر بیرم خان کے فرزند رشید ہیں سخن میں کامل تھے ہندی شاعری کا جو مرتبہ میرزا کا ہے وہ ظاہر ہے رحیم تخلص کرتے تھے

---

[۱] ماثر رحیمی مصنفہ ملا عبدالباقی نہاوندی ۱۹۲۴ء مطبوعہ از اہتمام ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ ۔ اور کتاب مرات العالم میں بھی ان کا تذکرہ موجود ہے [۲] منتخب التواریخ جلد سوم اور اکبرنامہ جلد دوم میں مفصل حال ملاحظہ فرمایئے [۳] مفصل حال آئین اکبری مترجمہ انگریزی صفحہ ۱۵۳ پر ملاحظہ فرمایئے۔
[۴] مفصل حالات ماثر رحیمی مصنفہ ملا عبدالباقی نہاوندی میں ملاحظہ فرمایئے۔

نستعلیق کے ساتھ ہندی خوشخطی میں بھی جواب نہ تھا طبقہ امرأ میں درجہ اول کے امیر تھے ۱۰۳۶ھ میں انتقال کیا۔

۹-۱۰ میرزا ایرج اور میرزا داراب[1] یہ دونوں میرزا عبدالرحیم کے صاحبزادے ہیں میرزا ایرج نسخ و تعلیق کے اُستاد تھے اور میرزا داراب محض نستعلیق نگار تھے۔ دونوں بھائیوں کے زور قلم کا نمونہ ہفت بند کاشی ہے جس کو بڑی محنت سے لکھا تھا اور اس کو مطلا اور مذہب بنایا تھا۔ ایرج نے ۱۰۲۸ھ میں اور داراب نے ۱۰۳۶ھ میں انتقال کیا۔

۱۱- میرزا عزیز کوکلتاش یہ اکبر کے برادر رضاعی تھے خوش نویسی اور مصوری دونوں میں کامل تھے۔

۱۲- رائے منوہر یہ رائے لون کے فرزند تھے ان کو اکبر نے پرورش کیا تھا یہ شاہزادہ جہانگیر کے ساتھ تعلیم حاصل کرتے رہے۔ خطاطی کے ساتھ شاعر بھی تھے ۱۱ سنہ جلوس جہانگیری میں فوت ہوئے۔

۱۳ ملا عبدالقادر اخوند یہ اکبر کے استاد تھے اور مختلف خطوط کے ماہر تھے آخر عمر میں ہندوستان سے ہجرت کر کے بیت اللہ (مکہ معظمہ) چلے گئے تھے۔

۱۴ محمد یوسف کابلی یہ اکبر کے خاص کاتب تھے ۱۰۰۰ھ میں فوت ہوئے۔

۱۵ خواجہ ابراہیم حسین یہ بھی عہد اکبری کے نامور خطاط تھے ۱۰۰۱ھ میں انتقال کیا۔

۱۶- عبدالرحیم عنبریں رقم نستعلیق کے اُستاد تھے ہرات سے ہندوستان میں آئے عبدالرحیم خان خاناں نے سرپرستی کی خان خاناں کے کتب خانہ میں اکثر کتابیں اُن کی قلمی تھیں اکبر نے ان کو خوش نویسوں کے زمرہ میں رکھ لیا تھا اکبر کے نذر کرنے کے لئے خمسہ نظامی لکھا تھا جواب لندن میں موجود ہے عنبریں رقم خطاب اُنکو جہانگیر کی طرف سے عطا ہوا تھا۔

[1] مفصل حال آئین اکبری میں موجود ہے۔

۱۷۔ میر معصوم قندھاری اکبری دور کے مشہور خطاط ہیں ان کے والد کا نام سید صفائی ہے۔ فتح سیکری (آگرہ) کی اکثر عمارات پر ان کے قلمی کتبے کندہ کیے گئے ہیں۔ آگرہ کے قلعہ میں بھی انہی کے لکھے ہوئے کتبے کندہ کیے گئے ہیں۔

۱۸۔ حسین بن احمد چشتی یہ بھی اکبری دور کے باکمال عربی کے خطاط ہیں فتح پور سیکری (آگرہ) کے بلند دروازے کے پیش طاق کی محراب کے اوپر ابھرے ہوئے حروف میں جو عربی کتبہ ہے وہ انہی کے کمال کا نمونہ ہے۔

۱۹۔ پنڈت جگن ناتھ عہد اکبری میں پنڈت جگن ناتھ پہلے کاتب ہیں جنہوں نے ہندی قلموں کو عروج دیا اور شان خوش نویسی پیدا کی۔

۲۰۔ ملا علی احمد مہر کن ہر قسم کے خطوط نستعلیق اور تعلیق کی مہریں کندہ کرنے میں کامل استاد تھے خصوصاً فولاد پر مہر کندہ کرنے میں بے حد مشاق تھے۔

۴۔ نورالدین محمد جہانگیر ۱۰۱۴ھ تا لغایت ۱۰۳۶ھ

۱۔ میر خلیل اللہ شاہ۔ سادات عراق عجم سے ہیں۔ ابراہیم عادل شاہ ثانی (بیجاپور دکنی)[۱] کے دربار میں تھے شاہ کے حکم سے کتاب نورس ۱۰۲۷ھ میں لکھی تھی۔ اور اس صلہ میں بادشاہ قلم کا خطاب ملا تھا کتاب نورس مذکور نواب آصف الدولہ کے کتب خانہ میں محفوظ تھی۔

۲۔ میر عبداللہ تبریزی مشکین قلم عہد جہانگیری کے مشہور استاد میر عبداللہ جو شاہ نعمت اللہ ولی کے اولاد سے تھے ان کو اکبر نے مشکین قلم کا خطاب دیا تھا۔ یہ ہفت قلم تھے اور نستعلیق کے استاد تھے ۱۰۳۵ھ میں بمقام آگرہ انتقال کیا۔

---

[۱] مفصل حالات آئین اکبری صفحہ ۴۴ پر ملاحظہ فرمائیے [۲] اس کتاب میں سلاطین دکن کے خطاطوں کا کوئی مستقل عنوان نہیں ہے۔ اس لئے بیجاپور (دکن) کے مشہور خوش نویس کا تذکرہ جو جہانگیر دور کا خطاط ہے لکھا جاتا ہے ۱۲

۲ خواجہ محمد شریف خواجہ عبدالصمد شیریں قلم کے صاحبزادے ہیں امیر الامراء کے درجہ پر فائز تھے۔ دربار اکبری سے علیحدہ ہو کر شاہزادہ جہانگیر کی خدمت میں آگئے تھے کچھ عرصہ بعد جہانگیر کی خدمت سے علیحدہ ہو کر گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی مگر جب جہانگیر آگرہ میں تخت نشین ہوتے تو یہ خبر سن کر خواجہ صاحب نے سجدۂ شکر ادا کیا اور بادشاہ جہانگیر کی سلامتی اور ترقی اقبال کے لئے خدا سے دعا مانگی جب یہ خبر جہانگیر کو پہنچی جہانگیر نے امیر الامراء کا خطاب دیا اور اس کے ساتھ جاگیر بھی عطا کی۔ یہ عربی فارسی کے زبردست عالم۔ اور نستعلیق کے استاد تھے۔

۳۔ میرزا محمد حسین میرزا شکر اللہ کے بیٹے اور مصنف تاریخ حبیب السیر کے قریبی رشتہ دار تھے خط شکستہ کے موجد نستعلیق تعلیق اور ثلث کے استاد تھے انکے شاگردوں نے خطوط شکستہ کو عروج پر پہونچایا یہ عہد ہمایوں میں داخل ہندوستان ہوئے ۲۷۰ھ میں انتقال ہوا۔

۴۔ شاہزادہ خسرو جہانگیر کے فرزند تھے خوش نویسی کے ساتھ فن انشاء میں بھی کمال رکھتے تھے ۱۰۳۱ھ میں دکن میں فوت ہوئے۔

۵۔ شاہزادہ سلطان پرویز یہ جہانگیر کے دوسرے فرزند تھے کتابت کلام اللہ میں اپنی عمر صرف کر دی اور بمقام برہان پور ۱۰۳۵ھ میں انتقال کیا

۶۔ محمود بن اسحاق شہابی الہروی نستعلیق کے استاد تھے دیوان کامران لکھا ہے جو پٹنہ کی لائبریری میں موجود ہے جس پر جہانگیر اور شاہ جہان کے دستخطی نوٹ ہیں۔

۷۔ احمد علی ارشد یہ جہانگیری دور کے طغرا نویس تھے فتح پور سیکری (آگرہ) کے بلند دروازے کے مغربی بازو کے کتبہ کے اوپر ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک طغرا جس میں پنج تن پاک اور خلفائے راشدین کے اسمائے گرامی کندہ ہیں موجود ہے۔

لہ مفصل حالات منتخب التواریخ جلد سوم صفحہ ۱۳۰ پر ملاحظہ فرمائیے۔

۵۔ ابوالمظفر شہاب الدین محمد شاہ جہان ۱۰۳۷ھ تا ۱۰۶۸ھ

۱۔ عبدالحق الشیرازی عرف امانت خان عہد شاہجہانی کے نامور خطاط طغرا نویس، نسخ اور نستعلیق کے کامل استاد تھے۔

تاج محل (آگرہ) میں جس قدر طغرے اور خطاطی کے کمالات ہیں وہ انہی کے رہین منت ہیں۔ ان کے کمالات کی وجہ سے بادشاہ نے اُن کو امانت خان کا خطاب دیا تھا تاج محل کی بے مثل عمارت کی خطاطی میں اُن کے معاون کار ستار خان رومی محمد خان بغدادی وہاب خان ایرانی روشن خان شامی عبدالغفار خان ملتانی اور قادر زمان خان کابلی تھے۔ (مگر یہ سب خوش نویس تھے طغرا نویسی کے کامل استاد امانت خان ہی تھے) امانت خان علامی فضل خان وزیر شاہ جہان کے بھائی تھے۔ ان استادانِ فن کے کمال فن کا ایک نمونہ تاج محل میں قرآن کریم کی سورتوں کی وہ خطاطی ہے جو صدر دروازوں کے حصہ زیرین سے انتہائی بلندی تک حروف یکساں نظر آتے ہیں علاوہ بریں استاد امانت خان کے وہ طغرے جن سے شاہ جہان و ممتاز محل کے مزارات کی تزئین ہوتی ہے بلحاظ محاسن فنی اپنی نظیر آپ ہیں۔ سکندرہ (اکبر اعظم کے مقبرہ) کے دروازہ کا کتبہ بھی انہی کا قلمی ہے اور آگرہ میں محلہ مدرسہ شاہی کی قدیم مسجد کا کتبہ بھی اُن کے ہی ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

۲۔ میر محمد صالح تبریزی میر عبداللہ مشکین قلم کے صاحبزادے تھے اور دفتر انشاء میں ملازم تھے یہ بھی مشکین رقم کے خطاب سے ممتاز تھے۔ فارسی میں کشفی اور ہندی میں سبحان تخلص کرتے تھے ۱۰۶۱ھ میں انتقال کیا۔

میر صاحب کے دوسرے بھائی میر محمد مومن مشکین رقم تھے یہ بھی مشہور خطاط تھے انہوں نے عہد اکبری اور جہانگیری دونوں دیکھتے تھے شاعر بھی تھے عرشی تخلص تھا۔

ؔ ستار خان رومی محمد خان بغدادی وہاب خان ایرانی روشن خان شامی عبدالغفار خان ملتانی اور قادر زمان خان کابلی کے حالات باوجود تلاش [illegible]

۳ عبد الباقی حدّاد عبد اللہ کے نام سے مشہور تھے یہ نسخ میں استاد تھے شاہ جہان نے اُن کو عالمگیر کا استاد مقرر کیا تھا۔ ایک قرآن شریف نسخی ورقی ذتیس ورقوں پر اور دوسرا کلام مجید چوب قلم لکھکر پیش کیا تھا۔ اس پر یاقوت رقم کا خطاب ملا تھا لیکن انہوں نے ہندوستان میں قیام نہیں کیا اور وطن واپس چلے گئے

حداد نے کئی نامور شاگرد تیار کئے جو یاقوت رقمی اور یاقوت رقم خانی کے خطابات سے سرفراز ہوئے بعض مشہور شاگرد حسب ذیل ہیں۔

۴۔ محمد عارف یاقوت رقم خان حدّاد کے یہ شاگرد رشید نسخ و ثلث کے استاد ان کے قلم کے لکھے ہوئے قرآن شریف یادگار ہیں۔ اُن کے قلمی قرآن مجید کا عکس (چربہ) چند سال ہوئے بھوپال سے طبع ہو کر شائع ہوا تھا۔ محمد معظم بہادر شاہ اول کے عہد میں آپ کا انتقال ہوا۔

متکبّر خوش نویس جو اپنے زور قلم پر فخر کرکے یہ مصرعہ پڑھا کرتے ہیں کہ ع
چومتا ہاتھ جو یاقوت رقم خان ہوتا" یاقوت رقم خان انہی محمد عارف سے مراد ہے
نسخ میں عموماً خطاط انہی کے مقلد ہیں۔

محمد عارف کے ایک بھانجے عباد اللہ بھی یاقوت رقم خان کے خطاب سے ممتاز ہوئے

۵۔ مولانا عصمت اللہ یہ حدّاد کے بھتیجے اور شاگرد تھے اکثر کلام مجید خاص روشنائی سے لکھتے تھے۔ شجاع الدولہ شاہ اودھ کے زمانہ تک بقید حیات تھے۔

۶، ۷، ۸، ۹۔ محمد افضل، محمد عسکری، میرزا فضل اللہ، زین الدین یہ چاروں خطاط محمد عارف کے شاگرد تھے اور ان کا خط اپنے استاد کے قلم سے بہت مشابہ تھا۔

۱۰۔ کلّو خان یہ غلام حسین خان کے نام سے بھی مشہور تھے عصمت اللہ کے شاگرد رشید نسخ کے استاد اور بڑے متقی اور حافظ قرآن تھے۔

۱۱-۱۶ ملّا باقر کشمیری وغیرہ عہد شاہجہانی میں محمد عارف اور ان کے

شاگردوں کے علاوہ حسب ذیل نستعلیق، تعلیق، نسخ اور خط شکستہ کے استاد تھے۔
ا۔ ملا باقر کشمیری۔ ۲۔ مقصود علی۔ ۳۔ میر محمد کاشی۔ ۴۔ حافظ عبداللہ۔ ۵۔ شکر اللہ۔ ۶۔ محمد مقیم
مولانا غلام محمد دہلوی نے اپنے تذکرہ میں ان اساتذہ کے علاوہ عہد شاہجہانی میں محمد حسین کشمیری کا نام بھی لکھا ہے لیکن یہ قرین قیاس نہیں ہے کیونکہ محمد حسین ۱۰۲۱ھ میں فوت ہو چکے تھے۔

۷۔ شہاب الدین محمد شاہ جہان بادشاہ | یہ نامور شاہنشاہ نستعلیق کے استاد تھے بزم خطاطاں میں شاہ کو بھی صف اول میں جگہ دینا چاہیئے۔ شاہ کے پیارے بیٹے دارا شکوہ بھی خوشنویس تھے جنکو آقا عبدالرشید دیلمی نے بڑی محنت سے تیار کیا تھا۔ اور یہ فخر استاد تھے۔

خط شکستہ[۵۳] بھی عہد شاہجہانی کی یادگار ہے شاہ جہان کے وزیر سعد اللہ خان نے شکستہ کی اشاعت میں خاص توجہ کی تھی جس کی زمانہ مابعد میں ترقی ہوئی۔

۶۔ محی الدین اورنگ زیب عالمگیر ۱۰۶۹ھ تا ۱۱۱۸ھ

ا۔ عالمگیر چونکہ خود ایک ماہر فن خطاط تھے اس لئے ان کے عہد میں خطاطی کی ترقی لازمی تھی۔ یہ بادشاہ نسخ اور تعلیق دونوں کے استاد تھے اپنی حیات میں متعدد کلام مجید لکھے جو یادگار ہیں یہ سید علی خان حسینی تبریزی جواہر رقم کے شاگرد تھے۔

۲۔ سید علی خان حسینی بن آقا مقیم تبریزی جواہر رقم | یہ عہد شاہجہانی میں

---

[۵۱] افسوس ہے ان کا مفصل حال باوجود کوشش کے دستیاب نہ ہوا [۵۲] دارا شکوہ کی قلمی وصلی دہلی کے قلعہ کے میوزیم میں موجود ہے جو میری نظر سے بھی گذری ہے جس پر مفصلہ ذیل اشعار تحریر ہیں۔
اے فراق تو یار دیرینہ ٭ غم تو غمگسار دیرینہ ٭ درد تو مہمان ہر روزہ ٭ داغ تو یادگار دیرینہ ٭
[۵۳] خط شکستہ کا نمونہ اس کتاب کے حصہ چہارم کے صفحہ ۸۳ پر ملاحظہ فرمایئے۔

تبریز سے دہلی آئے۔ اور عالمگیر کے اُستاد مقرر ہوئے خطاطی ہیں میر عماد کے مقلد تھے۔ اور عبد الرشید کی وصلیوں سے بھی مستفید ہوئے۔ یہ اُن کے خاص دوست اور ہمعصر بھی تھے۔ ہمیشہ عالمگیر کے ساتھ رہتے اور قیام دہلی کے زمانہ میں شاہی کتب خانہ میں کام کرتے تھے۔ اور اخیر عمر میں دیوانے ہوگئے تھے۔ ۱۰۹۴ھ میں دکن میں فوت ہوئے اور دہلی میں دفن ہوئے۔

۳۔ شمس الدین علی خان جواہر رقم: یہ سید علی خان کے فرزند تھے۔ اور جواہر رقم کے خطاب سے ممتاز تھے لیکن فن کے لحاظ سے اپنے باپ کے شاگردوں کے بھی ہم پلہ نہ تھے۔

۴۔ ہدایت اللہ خان زرین رقم: ابتدا میں محمد حسین کشمیری کے متبع تھے پھر سید علی خان کی شاگرد ہوئے۔ کتب خانہ عالمگیری میں داروغہ مقرر ہوئے شاہزادہ کام بخش اور محمد اعظم شاہ کے بیٹے بھی ہدایت اللہ کے شاگرد تھے قطعات نگاری میں سید علی خان پر فوق لیگئے تھے دیوان حافظ خفی قلم عالمگیر کے حکم سے لکھا تھا اس کے علاوہ وصلیاں بھی یادگار ہیں ۱۱۱۸ھ میں فوت ہوئے۔

۵۔ میر محمد باقر[1]: یہ بھی عہد عالمگیری کے خطاط تھے بادشاہ کو ان کا خط بہت پسند تھا۔ اپنے خطوط[2] میں بھی ان کی تعریف لکھی ہے اور بعض شاہزادے بھی اُن کے شاگرد تھے۔

۶۔ میرزا جعفر: یہ بھی عہد عالمگیری میں تھے بادشاہ نے ان کو کفایت خان کا خطاب دیا تھا محمد حسین کشمیری کے شاگرد تھے اور خط شکستہ کے استاد تھے میرزا کے بیٹے میاں لعل خان بھی خط شکستہ کے استاد تھے۔

---

[1] اسی نام کے ایک خوش نویس لاہور میں بھی تھے جو میر عماد کے مقلد تھے۔

[2] رقعات عالمگیری

میرزا کے خاندان میں ان کے بیٹے عبداللہ (ملقب بہ درایت خان) اور دوسرے بیٹے اکبر علی و محمد موسیٰ بھی خطاط تھے۔ اور یہ سب خط شکستہ کے اُستاد مانے گئے ہیں اور اسی سلسلہ میں محمد حسین کے دوسرے شاگرد جلال الدین یوسف بھی شکستہ نگاری میں مشہور تھے اور خط شکستہ کے چھٹے استاد محمد حسین کے نواسہ میرزا جعفر بن مقیم تھے۔

درایت خان کے مقلدین میں میرزا محمد قباد (مغل شاہی خاندان) بھی خط شکستہ کے مشہور اُستاد تھے۔

۷۔ محمد زاہد یہ عالمگیر کے آخیر زمانہ میں تھے خطاطی کے علاوہ مصوری میں بھی کامل تھے

۸۔ میر محمد کاظم (فرزند جواہر رقم) جواہر رقم متعدد ہیں لہذا فیصلہ طلب ہے کہ یہ کس کے فرزند ہیں مگر ان کی وصلیوں کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سید علی خان کی طرز پر لکھتے ہیں۔ مگر محمد کاظم طہرانی عہد شاہ جہان کے مشہور خطاط تھے ان کی خطاطی کے کمالات مشہور ہیں۔

۹ - ۱۲ ہنود میں کشمیری پنڈت اور کالیتھوں نے بھی خطاطی میں کمال پیدا کیا تھا۔ دہلی۔ لکھنو۔ اور آگرہ میں مشاہیر خطاط موجود تھے حسب ذیل ہنود خطاط عہد عالمگیر میں تھے۔

۹۔ پنڈت لچھمی رام۔ ۱۰ لالہ سکھہ رام۔ ۱۱ منشی محبوب رائے۔ ۱۲ منشی کسل سنگھ۔

۱۳۔ محمد صادق اس نام کے مختلف زمانے میں تین ۳ خوش نویس گذرے ہیں

۱۔ محمد صادق ——— عہد اورنگ زیب و عالمگیر)

۲۔ نواب مرید خان محمد صادق عہد محمد شاہ (۱۱۳۱ھ - ۱۱۶۱ھ)

۳۔ محمد صادق ۱۲۰۳ھ (دہلی کے باشندے)۔

ان استادان فن کی قلمی وصلیاں اور کتابیں موجود ہیں مگر انکے مفصل حالات دستیاب ہو سکے

سلہ ان کے مختصر حالات تذکرۃ السلاطین چغتائیہ میں ہیں۔

۷۔ محمد فرخ سیر سنہ ۱۱۲۴ لغایت سنہ ۱۱۳۱ھ

عالمگیر کے بعد محمد معظم بہادر شاہ (سنہ ۱۱۱۹ھ تا سنہ ۱۱۲۴ھ) اور معز الدین جہاندار شاہ نے چھ سال حکومت کی اور اُن کے بعد فرخ سیر تخت نشین ہوئے اس عہد میں بھی وہی خطاط تھے جو عہد عالمگیر میں تھے۔

۱۔ حاجی نامدار۔ یہ عہد فرخ سیر کے مشہور خوش نویس تھے شاہزادوں کے استاد رہے آقا عبدالرشید کے مقلد تھے۔

۲۔ میرزا خاتم بیگ معظم شاہ کے میر منشی تھے اور اس عہد میں یہ اُستاد مانے جاتے تھے میرزا صاحب کی فن انشاء میں ایک کتاب یادگار ہے۔

۸۔ ابوالفتح ناصر الدین محمد شاہ سنہ ۱۱۳۱ھ لغایت سنہ ۱۱۶۱ھ

فرخ سیر کے بعد محمد شاہ کو تیس ۳۰ سال تک حکومت کا موقع ملا لیکن نادر شاہ کے حملہ نے ایوان حکومت کو متزلزل کر دیا۔ تاہم یہ عہد علمی حیثیت سے غنیمت تھا اس زمانہ کے مشہور خطاط یہ ہیں۔

۱۔ محمد افضل لاہوری قادری۔ محمد شاہی زمانہ میں فن خطاطی کے یہ استاد کامل مانے جاتے تھے اور ان کو عبدالرشید دیلمی ثانی کے لقب سے نامزد کرتے تھے۔

۲۔ محمد مقیم امیر عماد کے مقلد تھے کالی مسجد (دہلی) میں سکونت پذیر تھے اور دہلی میں اُن کے بکثرت شاگرد تھے۔

۳۔ میر محمد موسیٰ[۱] سید صاحب سرہندی تھے اور ملازمان شاہی میں داخل تھے۔ رائے سدہ رائے دیوان خالصہ کی استادی کا بھی فخر حاصل تھا یہ بھی میر عماد کے پیرو تھے

۱؎ ان کی وصلی کا فوٹو بلاک اس کتاب کے حصہ چہارم کے صفحہ ۵۲ پر موجود ہے۔

۴ نواب مرید خان محمد صادق طباطبائی | خط ریحان، ثلث اور نسخ کے ماہر تھے لیکن شکستہ نگاری میں فرد تھے اور اس میں مختلف طرزیں ایجاد کی تھیں قرآن شریف مطلّا اور گلستان کے دو نسخے لکھے ایک تعلیق میں اور دوسرا شکستہ میں۔ درایت خان اور اکبر علی سے استفادہ کیا تھا۔

۵۔ رائے پریم ناتھ کھتری[۱] | رائے صاحب، نواب مرید خان کے شاگرد تھے خط شکستہ کے استاد مانے جاتے تھے۔ اُن کے بکثرت شاگرد تھے شاعری کا ذوق تھا آخر عمر میں بندرابن (متھرا) میں قیام کیا اور وہیں انتقال کیا۔

۶ مولوی حیات علی[۱] | رائے پریم ناتھ کے شاگرد تھے انہوں نے طویل عمر پائی اور تقریباً ستر سال تک مشق کتابت جاری رکھی خط شکستہ کے استاد تھے عالم فاضل تھے۔ عربی فارسی اور ترکی میں ید طولیٰ تھا۔

۷ نواب مظفر خان | نواب روشن الدولہ کے صاحبزادے ہیں۔ ظفر خان خطاب تھا اور زمرۂ امرا میں داخل تھے۔ خط شکستہ کے استاد تھے ۱۱۳۴ھ میں سنہری مسجد (دہلی) کے گنبد پر سونا چڑھوایا۔ اور ۱۱۴۷ھ میں ایک مسجد تعمیر کرائی جو روشن الدولہ کے نام سے مشہور ہے۔[۲]

۸ محمد حفیظ خان | شکستہ نگاری کے استاد نستعلیق، تعلیق، شکستہ اور ثلث نسخ میں ان کے بہت شاگرد تھے اور اپنے وقت کے کامل استادوں میں شمار ہوتے تھے کئی جلدیں قرآن شریف کی مطلّا اور مذہب تیار کر کے بادشاہ کی خدمت میں پیش کی تھیں۔

۹۔ ابوالمظفر جلال الدین محمد علی گہر ملقب بہ شاہ عالم

سنہ ۱۱۷۳ھ لغایت ۱۲۲۱ھ

۱؎ مفصل حال کتاب خمخانۂ جاوید میں ملاحظہ فرمایئے۔ ۲؎ مفصل حال کتاب آثار الصنادید مصنفہ سر سید احمد خان ۱۸۴۷ء صفحہ ۹۲ پر ملاحظہ فرمایئے

۱۔ قاضی عصمت اللہ خان | قاضی صاحب، عہد شاہ عالم کے مشہور خطاط اور خط نسخ میں استاد مانے جاتے تھے تمام عمر کلام مجید اور حمائل شریف کے لکھنے میں صرف کردی ۱۲۰۶ھ میں انتقال کیا۔ قاضی صاحب کے شاگردوں میں میر گدائی، حافظ ابوالحسن (استاد اکبر ثانی) میر کرم علی، حافظ مسعود اور عنایت اللہ میر وغیرہ بہت مشہور تھے ان کے علاوہ قاضی صاحب کے مقلدین میں ایک مشہور خطاط میر محمدی تھے جو ہنگامہ غلام قادر خان کے بعد لکھنو چلے گئے تھے۔

۲۔ فیض اللہ خان | یہ قاضی عصمت اللہ خان کے برادر حقیقی تھے اور خط نسخ کے استاد تھے قلمی کلام مجید یادگار ہیں جو مرکب روشنائی سے لکھے گئے ہیں۔

۳۔ عباد اللہ خان | یہ فیض اللہ خان کے بیٹے تھے باپ نے جو قرآن مجید نا تمام چھوڑے تھے۔ ان کو پورا کیا۔ ان کا خط باپ سے بالکل ملتا جلتا تھا۔

۴۔ محمد میر | یہ دہلی کے نامور شاعر ہیں جو میر سوز کی عرفیت سے مشہور ہیں ان کا شمار اساتذہ میں ہوتا ہے شعر خوانی میں خاص شہرت رکھتے تھے۔ درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ خط شفیعہ اور نستعلیق کے استاد تھے نواب آصف الدولہ کے زمانہ میں لکھنو چلے گئے تھے۔ اور نواب نے اپنا استاد بنالیا تھا۔[۱]

۵۔ میر غلام علی | یہ بھی خط شکستہ کے استاد تھے۔ اور ۱۲۰۰ھ تک بقید حیات تھے۔

۱۰۔ ابوالنصر معین الدین محمد اکبر شاہ ثانی بن شاہ عالم

۱۲۲۱ھ لغایت ۱۲۵۲ھ

۱۔ مولائی صاحب | کثرت مشق سے عبدالرشید کے ہم پلہ ہو گئے تھے

[۱] مفصل حال کتاب تذکرہ شعرائے ہند مترجمہ مولوی کریم الدین میں ملاحظہ فرمائیے

مرشدزادہ میرزا محمد معظم بخت بہادر کے اتالیق تھے شاہ نے اُن کو آقاتے ثانی کا خطاب دیا تھا۔

۲۔ میر محمد حسین | میر کلن کے بیٹے اور میرزا سلیمان شکوہ کے میر منشی تھے نستعلیق کے استاد تھے۔ دہلی میں ان کے اکثر شاگرد تھے

۳۔ غلام علی خان | یہ خوش نویس کے لقب سے مشہور تھے۔

۴۔ حافظ ابراہیم | نسخ و نستعلیق کے استاد تھے اور شاہزادوں کے معلم تھے

۵۔ حافظ بقاء اللہ | یہ حافظ ابراہیم کے صاحبزادے اور اپنے والد کے شاگرد تھے نسخ اور نستعلیق کے استاد کامل تھے اور قلعہ معلیٰ دہلی کے دا اپنے والد کی جگہ معلم تھے

۶۔ میر ابوالحسن | میر کلن کے نام سے مشہور تھے اور محمد حفیظ خان کے شاگرد تھے خط نسخ اور نستعلیق کے استاد کامل تھے پہلے نواب عبدالاحد خان کے اور بعد میں اکبر شاہ ثانی کے درباری خوش نویس مقرر ہوئے۔

۷۔ میر زین العابدین | میر صاحب طغرا نویس تھے اور شاہ اعز الدین دعالمگیر ثانی کے شاگرد تھے ۱۲۲۲ھ میں انتقال کیا۔[1]

۸۔ شاہ وارث علی | صوفیانہ زندگی بسر کرتے تھے ہر مہینہ کی چوتھی تاریخ کو رقص وسرود کی محفل گرم ہوتی تھی۔ مرید اور بے تکلف احباب جمع ہوتے اور حال وقال کی مجلس گرم ہوتی۔ محلہ کھاری باولی (دہلی) میں سکونت تھی۔ متقدمین کے اصول پر لکھتے تھے اور فرصت کے گھنٹے اسی شغل میں گزارتے تھے ۱۲۲۷ھ میں رحلت فرمائی

۹۔ میر مہدی بن میر مقصود | یہ طغرا نویسی میں کامل تھے اس فن پر انہوں نے چند قواعد کا اضافہ کیا ہے اور نواب حسام الدین حیدر خان کی سرکار میں ملازم تھے

۱۰۔ مولانا غلام محمد دہلوی | ہفت قلم اکبر شاہ ثانی کے عہد میں مولانا غلام محمد

[1] اس واقعہ سے ظاہر ہے۔ کہ دولت مغلیہ کا ہر شاہزادہ خوشنویس تھا۔ اور اس عہد میں خطاطی تعلیم کا جزو لاینفک تھا۔

بھی اساتذہ فن میں تھے۔ اور طبقۂ خوشنویسان پر ان کا یہ احسان ہے کہ انہوں نے خطاطوں کا ایک تذکرہ لکھا جس میں تقریباً تمام ہندوستان کے ماہرین فن خطاطی کا ذکر ہے۔ اس موضوع پر یہ بہترین کتاب ہے جس کو سر ولیم جونس اور مولوی ہدایت حسین نے ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کی طرف سے ۱۳۳۹ھ میں شایع کیا ہے۔

مولوی غلام محمد فارسی کے ادیب تھے۔ اور راقم تخلص تھا عربی سے بھی فی الجملہ واقف تھے۔ فارسی نثر و نظم بے تکلف لکھتے تھے جس کا اندازہ تذکرہ خوش نویسان سے ہوتا ہے۔

مولانا دہلی کے باشندے تھے اور حکیم قدرت اللہ خان کے شاگرد تھے۔ نسخ، نستعلیق، تعلیق، ثلث، شکستہ، شفیعہ، اور ریحان بے مثل لکھتے تھے۔

علم طب کے ذوق میں دہلی سے لکھنؤ آئے اور حکیم میرزا محمد عشق کے شاگرد ہوئے اور لکھنؤ میں ۱۲۳۹ھ میں انتقال کیا۔

۱۱- خواجہ غلام نقش بند خان۔ ابن خواجہ یوسف (داماد فیض اللہ بیگ) مولانا غلام محمد کے ہم عصر تھے نستعلیق شکستہ اور شفیعہ خوب لکھتے تھے اور اخیر عمر میں درویش ہو گئے تھے۔

۱۱- اعز الدین عالمگیر ثانی ۱۱۶۷ھ لغایت ۱۱۷۳ھ

۱- عماد الملک غازی الدین خان فیروز جنگ امیر الامراء آصف جاہی[۱] عماد الملک پہلے احمد شاہ بن محمد شاہ کے وزیر تھے اسکے بعد عالمگیر ثانی کے وزیر رہے خطاطی میں ہفت قلم تھے اور ہفت زبان بھی شعر میں نظام تخلص کرتے تھے عالمگیر کی وفات پر گوشہ گیر ہو گئے تھے سنہ ۱۳۰۱ھ میں بمقام کالپی انتقال کیا۔ نستعلیق

[۱] مفصل حال کتاب مآثر الامراء جلد سوم صفحہ ۸۹۱ پر ملاحظہ فرمایئے۔

میرزا محمد علی کی طرز پر اور نسخ یاقوت رقم کے انداز پر لکھتے تھے عام مراسلت میں شفیعہ لکھتے تھے۔

۲۔ میرزا ارجمند۔ یہ نواب عماد الملک کے میرمنشی تھے شاعری، خوش نویسی، اور مصوری میں کامل تھے شفیعہ مختلف انداز میں لکھتے تھے۔

۱۲۔ ابوظفر بہادر شاہ ثانی

ابوظفر دولت مغلیہ کے اخیر تاجدار تھے۔ اگرچہ انگریزوں نے ان کو از رعایائے سرکار لکھا ہے لیکن مورخین کے نزدیک یہ خاتمہ کے شاہ تھے حقیقت میں دولت مغلیہ تو شاہ عالم پر ختم ہو چکی تھی جن کی نسبت یہ مقولہ زبان زد عام و خاص ہے کہ "حکومت شاہ عالم از دہلی تا پالم" (یہ مضافات دہلی کا ایک موضع) لیکن قلعہ شاہجہانی کی عظمت ابوظفر کے دم سے قائم تھی۔ ظفر اگرچہ بساط شطرنج کے بادشاہ تھے لیکن جن آنکھوں نے اس بزم آخر کا تماشہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے وہ آج اشکبار ہیں۔

یہ واقعہ نظر عبرت سے دیکھنے اور یاد رکھنے کے لائق ہے کہ جب شاہ غدر ۱۸۵۷ء کے بعد دہلی سے رنگون بھیجے گئے اور شاہی جہاز کلکتہ میں ٹمیا برج کے ساحل پر ٹھیرا تو معزول شاہ اودھ (واجد علی شاہ)[۱] نے بحیثیت وزیر السلطنۃ ابوظفر کی خدمت میں حاضر ہو کر مغلی اداب سلطنت کے مطابق جھک کر سلام عرض کیا اور حسب دستور نذر بھی پیش کی۔ یہ عجیب و غریب منظر تھا لیکن شاہ ظفر نے اس کے قبول کرنے سے یہ کہہ کر انکار کیا کہ بھائی اب میں شاہ نہیں ہوں بلکہ انگریزوں کا ایک قیدی

۱؎ واجد علی شاہ مرحوم امجد علی شاہ کے فرزند تھے ۱۸۵۶ء کے آغاز میں بعمر پینتیس ۳۵ سال معزول ہو کر کلکتہ بھیجے گئے ۱۲

ہوں۔ نذر قبول کروں تو تم کو خلعت اور سرپیچ کیونکر دوں۔ خیر یہ تسبیح دیتا ہوں فقیر کا تبرک سمجھ کر قبول کرو واجد علیشاہ نے تسبیح لے کر حسب قاعدہ سلام عرض کیا اور ملاقات ختم ہوگئی اس واقعہ کے بعد کس کو جرأت ہے کہ ابوظفر کو شاہ تسلیم نہ کرے قلعہ کی چار دیواری کے اندر تمام سامان امارت جمع تھے۔ اہل علم کا مجمع تھا۔ مشاعرے بھی ہوتے تھے۔ بہر حال خانگی زندگی پُرلطف تھی۔ آہ! ظفر مرحوم مغفور کی یاد میں یہ ایک جملہ معترضہ تھا جو قلم سے بیساختہ نکل گیا۔

طبقہ خطاطان میں ہم ابوظفر کو شامل کرتے ہیں۔ دہلی میں متعدد قطعات اور وصلیاں شاہ کی موجود ہیں۔ زینت محل (متصل محلہ فراشخانہ) اور حمام حکیم احسن اللہ خان مرحوم (محلہ سرکی والاں) پر جو کتبات آج تک لگے ہوئے ہیں وہ شاہ ظفر کی قلم کے لکھے ہوئے ہیں جن کو پتھر پر کندہ کرا کر ان عمارات پر نصب کیا گیا ہے۔

شاہزادوں اور شاہزادیوں کی وصلیوں پر بھی خود اصلاح دیا کرتے تھے

اب ہم چند مشہور خطاطوں کا حال لکھتے ہیں اور اس دور پر اپنی کتاب کو ختم کرتے ہیں۔

۱۔ محمد جان | میاں محمد عاشور علی کے صاحبزادے اور میر کلن کے شاگرد رشید تھے نستعلیق اپنے اُستاد کے طرز پر لکھتے تھے اور ابوظفر کی سرکار میں بزمانہ ولیعہدی بزمرۂ خوشنویسان ملازم تھے۔

۲۔ میر امام علی بن امام الدین | یہ طبیب تھے اور خط نسخ لکھتے تھے یہ قاضی عظمت اللہ خان کے مقلد تھے جو لکھتے تھے۔ فرصت کے وقت مشق کیا کرتے تھے

۳۔ میر جلال الدین بن امام علی | یہ اپنے والد کے شاگرد تھے اور یہ دونوں سید سرکار ابوظفر میں ملازم تھے۔

۴ لغایت ۱۰۔ راجہ امید سنگھ وغیرہ | اس اخیر دور میں طبقہ ہنود سے

حسب ذیل خطاط تھے۔ ان کے سنین فوت اور تمام حالات تذکروں میں نہیں ہیں مزید حالات معلوم ہوتے تو انشاء اللہ تعالیٰ دوسری اشاعت میں اضافہ کر دیا جائیگا۔ یہ خط شکستہ کے استاد تھے۔

۱-۲- راجہ امیار سنگھ اور راجہ شیر سنگھ (از خاندان راجہ ناگرمل) یہ دونوں رائے پریم ناتھ کے شاگرد ہیں۔

۳ کنور پریم کنور

۴ راجہ نند رام

۵ منشی لچھمن سنگھ (شاگرد محمد حفیظ خان)

۶ پنڈت لچھمی رام (شاگرد محمد حفیظ خان۔

۷- منشی خوشوقت رائے وانچی

۸- لالہ درگا پرشاد

۹- شنکر نوساری

۱۰- شنکر ناتھ کشمیری (متوفی ۱۲۶۱ھ) یہ خط شکستہ کے استاد تھے اور بہادر شاہ کے میر منشی تھے۔

۱۱- سید محمد امیر[1] رضوی (میر پنجہ کش) بن صاحب میر۔ خطاطان دہلوی میں یہ اخیر استاد تھے جو میر پنجہ کش کے لقب سے مشہور تھے۔ صحیح النسب سادات تھے۔ نیک چلن، نیک طینت، مہذب اور خلیق تھے۔ یہ عجیب بات ہے کہ خوشنویسی کے ذوق کے ساتھ پنجہ کشی، کشتی، اور بانک کا بھی شوق تھا اور خطاطی کے ساتھ مصوری، نقاشی، لوح، جدول نگاری، صحافی، علاقہ بندی اور سنگ تراشی میں بھی استاد کامل تھے۔ ایک فرد واحد میں یہ جامعیت، انتہائی کمال کی دلیل ہے میر صاحب ابتدا میں

[1] ان کی ایک وصلی کا فوٹو بلاک اس کتاب کے حصہ چہارم صفحہ ۳۵ پر ملاحظہ فرمائیے میرے پاس انکی متعدد وصلیاں موجود ہیں

فلاطون نامی ایک ارمنی امیر کے معلم تھے نستعلیق قدمار کے طرز پر لکھتے تھے۔

مولانا غلام محمد دہلوی (صاحب تذکرہ خوشنویسان) لکھتے ہیں کہ جب میں نے اس سید زادہ کو ہونہار دیکھا تو ہدایت کی کہ میاں اتم عبدالرشید کے طرز پر لکھا کرو لیکن اس زمانہ میں آقا کی وصلیاں نایاب تھیں۔ کوئی شخص ان کو دینا بلکہ دکھانا بھی پسند نہ کرتا تھا۔ کیونکہ تلف ہوجانیکا خطرہ تھا، لیکن میں نے سید کو آقا کی وصلیاں دیدیں جن کو سامنے رکھکر سید نے مشق شروع کی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میر صاحب اُستاد ہوگئے اسکے بعد انہوں نے بطور خود کافی ذخیرہ وصلیوں کا جمع کرلیا۔ یہ سید کی خوش نصیبی تھی کہ آقا کی وصلیاں ان کو کم داموں پر مل گئیں جس کو انہوں نے مطلا و مُذہّب کیا۔ اس کے بعد وصلیوں کی نقل شروع کی اور ان پر عبدالرشید کا نام لکھدیا چنانچہ یہ وصلیاں آقا کے نام سے فروخت ہوئیں اور کوئی اصل و نقل میں تمیز نہ کرسکا اس ترکیب سے میر صاحب نے آقا کو زندہ جاوید کردیا اور خود مالی نفع اٹھایا۔ میر صاحب ہر سال ماہ محرم میں آقا عبدالرشید کا عرس کیا کرتے تھے۔ جس میں تمام خوشنویس جمع ہوتے اور فاتحہ کے بعد علمی تذکرے شروع ہوتے تھے جس میں علم الخط پر بحث ہوتی تھی۔ غدر ۱۸۵۷ء میں کسی باغی نے گولی ماردی۔ میر صاحب نے نامور شاگرد تیار کیئے اور ان کا سلسلہ ہنوز جاری ہے مہاراجہ الور نے میر صاحب سے گلستان لکھوائی تھی اور یہ نسخہ ریاست کے کتب خانہ میں موجود ہے جس میں نامی مصوروں نے ہر حکایت کے متعلق تصویریں بنائی ہیں۔ یہ نسخہ قیمت میں ایک لاکھ روپیہ سے کم نہیں ہے اور یہ نسخہ سترہ سال میں تیار ہوا تھا۔ احقر نے بچشم خود ان کا دولت خانہ دیکھا ہے (محلہ املی کی پہاڑی پر مشہور ہے) اپنے مکان کے چھت کی کڑیوں پر میر صاحب نے یا فتاح اور بسم اللہ شریف لکھی ہے۔

۴۔ آغا میرزا دہلوی (میر پنجہ کش صاحب کے شاگردوں میں میرزا شاگرد رشید تھے اور نستعلیق میں میر صاحب کے ہم پلہ مانے جاتے تھے متاخرین میں ان کے بھی بکثرت

شاگرد ہیں انہوں نے بھی گلستان لکھی تھی اور خود ہی تصویریں بنائی تھیں۔ آغا مرگیا (۱۲۷۳ھ) ان کی تاریخ وفات ہے اُن کے شاگردوں میں رحیم اللہ[۱] اور میر بادو علی الوری بہت مشہور ہیں۔

۳۔ میرزا عباد اللہ بیگ[۲] میرزا عباد اللہ بیگ کے فرزند اور میر پنجہ کش کے خاص شاگرد تھے اور بچپن سے ہی شاگردی اختیار کی تھی یہی وجہ ہے کہ آغا میرزا پر سبقت لے گئے تھے اور زمرد رقم خطاب تھا غدر ۱۸۵۷ء کے بعد دہلی سے ریاست پٹیالہ چلے گئے تھے اور دربار پٹیالہ میں کسی معزز خدمت پر سرفراز تھے۔

۴۔ بدر الدین[۳] علی خان مرصع رقم بدر الدین علی خان کی شہرت مہر کنی میں ہے اور دہلی میں ان سے بڑھکر کوئی حکاک نہ تھا یہ محض مہر کن نہ تھے بلکہ نستعلیق اور نسخ کے استاد تھے ہندی اور انگریزی حروف کی بھی مشق کی تھی۔ متاخرین میں یہ بڑے ماہر فن تھے۔ اور لوگ ان پر حسد کرتے تھے۔ یہ اپنے نانا شیخ محمد یار کے شاگرد تھے۔ اور آغا عبد الرشید کی وصلیوں سے مستفید ہوتے تھے مہر کنی میں تمام ہندوستان میں ان کا جواب نہ تھا

اس آخری دور کے اکثر خوش نویسوں کی وصلیاں احقر کے پاس موجود ہیں ان کے پس ماندگاں پتہ لگا کر ایک دو سے ملا اور ان سے خواہش کی کہ وہ اپنے بزرگوں کے حالات قلم بند کرا دیں تو میں اس تذکرے میں ان کے حالات بھی لکھوں اور ان کی وصلیوں کے فوٹو بلاک بھی شائع کردوں مگر افسوس کیساتھ لکھنا پڑا کہ ان کاملین فن کی اولاد بھی اپنے آباؤ اجداد کے حالات سے واقف نہیں۔ نہایت مایوسی کے ساتھ اس سلسلہ کو سر دست ختم کرنا پڑا۔

---

[۱] رحیم اللہ صاحب کی قلمی وصلی احقر کے پاس موجود ہے جس پر یہ عبارت تحریر ہے "دنیا ہیچ است و کار دنیا ہمہ ہیچ ہا"
[۲] ان کی اولاد میں جو پٹیالہ میں مقیم ہیں مرزا محمود نے فن خوشنویسی پر ایک کتاب بھی لکھی ہے جو میری نظر سے گذری ہے اور یہ خود بھی خوش نویس ہیں ۔۔ ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی وصلیاں بھی میرے پاس موجود ہیں۔ [۳] شرف الدین عبد اللہ عقیق کن بدر الدین علی خان سے پہلے گذرے ہیں۔ یہ بھی صاحب کمال اور خوشنویس تھے۔

۱۲- عہد دولت برطانیہ

دولت مغلیہ کی جانشینی جب گورنمنٹ برطانیہ کو حاصل ہوئی تو گورنمنٹ برطانیہ نے بھی علوم مشرقیہ کی سرپرستی کی۔ چنانچہ ۱۷۹۲ء میں جب دہلی میں اورینٹل کالج قائم ہوا تو مولوی مملوک علی پروفیسر عربی اور شیخ امام بخش صہبائی پروفیسر فارسی مقرر ہوئے۔ اور سید محمود کا تقرر خوشنویسی کی معلمی پر ہوا۔ یہ اس عہد کے نامور خطاط تھے اس کالج کے اکثر طلبہ خوش نویس ہوتے تھے اور آج بھی تمام مدارس میں خوشخطی کی تعلیم جاری ہے اور نامور خطاطوں کی لکھی ہوئی کاپیوں پر مشق کرائی جاتی ہے لیکن عموماً طلبہ انگریزی نب سے لکھتے ہیں بدیں وجہ طلبائے کالج سے خوشخطی منزلوں دور رہتی ہے

علم الحروف

یا

تحقیقات ماہر

حصّہ سوم

حکیم محمود علی خان ماہر
اکبر آبادی ثُم دہلوی

حصہ سوم

کاغذ۔ قلم۔ سیاہی

۱۔ علوم اور علم الخط کی ترقی کا باعث کاغذ (قرطاس) کی ایجاد ہے

علم الحروف یا ابجد کی تاریخ جسکا تعلق ممالک ایشیا، افریقہ، اور کسی قدر یورپ سے ہے اس کا اجمالی تاریخی بیان بقدر ضرورت لکھ دیا گیا ہے۔ اب ہم کاغذ کے ایجاد کی مختصر تاریخ لکھتے ہیں جس کا تعلق کتابت سے ہے اور یہ اس کتاب کا آخری باب ہے

نظر غور سے دیکھنے پر واضح ہوتا ہے کہ دنیا کی تمام ترقیاں جو آج عروج و کمال پر ہیں وہ موجودہ حالت میں تدریجی چال سے ترقی کرکے ہزاروں برس میں یہاں تک پہونچی ہیں۔ اور اسی کا نام مسئلہ ارتقا ہے۔

تکوین عالم کے بعد انسان کی ترقی کا ذریعہ اس کی زبان تھی جس نے خیالات میں وسعت پیدا کر دی۔ اور قوموں میں صرف زبان تبادلہ خیالات کا وسیلہ قرار پائی لیکن یہ ناپائیدار اثر تھا کیونکہ ایک طرف علوم کی ترقی ہو رہی تھی۔ اور دوسری جانب انسان کے سینے سے وہ علوم فنا ہو رہے تھے جو اس نے اپنے بزرگوں سے روایت و سماعت کے ذریعہ سے حاصل کئے تھے جب قوت حافظہ نے انسان کو جواب دیدیا تو وہ کتابت پر مجبور ہوا یہی وہ شریف فن تھا جس کی بدولت ہر انسان اپنے بزرگوں کی علمی جائداد کا وارث بن گیا یعنی ہزاروں برس کے علم و فن عالم وجود میں آگئے۔ ہر نئی ایجاد میں پہلے بیحد دقت مشکلات کا سامنا

ہوتا ہے۔ چنانچہ علم کتابت کے بعد لوازمہ کتابت کی ضرورت پیش آئی۔ یہ متعدد چیزیں تھیں جن میں سب سے اہم کاغذ کا وجود تھا۔

کاغذ[1] کی ایجاد سے پہلے مکان کی دیواروں اور پتھر کی سلوں پر کتابت کی گئی لیکن جب ایک زبردست قوم نے دوسری قوم کو زبردستی اُن کے مسکن سے بیدخل کیا تو انہوں نے حسرت سے در و دیوار کے نوشتوں کو دیکھا۔ اور وہ جہاں تھے اُسی جگہ رہ گئے۔ البتہ سل و پتھر کے ذخائر ساتھ لے گئے اس تجربہ نے نقوش دیوار کو ترک کرایا اور مٹی کی خام سلوں اور چوکوں اور ظروف پر لکھنا شروع کیا اور ان کو آگ میں پکالیا یہ وہی قدیم ترکیب تھی جس کے موجد حضرت آدم علیہ السلام تھے۔ اس قسم کا گلی ذخیرہ پہلے محکمہ آثار قدیمہ نے مصر سے اور اسکے بعد بابل سے بکثرت برآمد کیا جس میں بڑا حصہ اینٹوں کا ہے گلی دور کے ختم ہونے پر جب زمین سے معدنیات کا خزانہ نکل آیا۔ تو لوہے تانبے سیسے اور پیتل کے پتروں پہ کتابت شروع ہوئی جس کے ہزاروں نمونے موجود ہیں۔

لیکن حضرت قلم نے جب فلزات کی تختیوں پر چلنے سے انکار کر دیا تب بجائے سنگ لاخ زمین کے نرم زمین کی ضرورت ہوئی تاکہ یہ منزل آسانی سے طے ہو جائے نیز قلمی ذخائر سہولت سے ممالک غیر میں منتقل ہو سکیں اس لئے حکماء مصر نے تقریباً پانچ ہزار سال قبل مسیح[2] فلزات کو ترک کر کے کاغذ ایجاد کیا اور اس ضرورت کیلئے انکو

---

[1] کاغذ کا سب سے پہلا موجد ایک ننھا سا کیڑا ہے۔ جو اپنا گھر لکڑی کے اجزا کی مدد سے مثل کاغذ کے تیار کرتا ہے چنانچہ بھڑ بھی اپنا چھتہ اسی قسم کے اجزا سے تیار کرتی ہے۔ اور اس کے چھتے بھی کاغذ کی مانند بہت ہوتے ہیں۔ اسی خیال کے تحت ۱۷۱۹ء میں مسمی ایسیفر نے جو روئس اور ٹکا راہب تھا اس نے لکڑی کے برادہ سے کاغذ تیار کیا تھا۔ اسکے بعد مسمی کوپس ہالینڈ کے باشندہ نے اس کو ترقی دی۔

[2] ۱۸۴۴ء میں سیکسن نامی جولاہے نے بڑی مقدار میں کاغذ تیار کیا۔ بک آف نالج جلد ۹ صفحہ ۴۳۸، ۶۲۳

مصر میں پیپاری نام ایک درخت مل گیا۔ جسکو یونانی پیپائرس کہتے ہیں۔ اس درخت کی بلندی سطح زمین سے دس ہاتھ تھی۔ اور تنہ کی جسامت انسان کی کلائی کے برابر تھی جس میں متعدد شاخیں تھیں (تاریخ مصر الحدیث میں اس درخت کی تصویر دی گئی ہے) اس کی چوٹی پر نازک پتے مور چھل کی طرح لٹکتے تھے۔ اول اس کے پتوں کے ہار دیوتاؤں کے گلے میں ڈالے گئے اور دوائیں بھی استعمال کئے گئے اور کافی تجربہ کے بعد اس درخت کے ریشوں سے کاغذ بنایا گیا تھا۔ اسلام میں عربوں نے بھی اس کاغذ پر کتابت کی ہے جسکا نام تاریخ عرب میں بردی ہے اور جسکو انگریزی میں پے پرس کہتے ہیں۔ (مطلق یہ معنی کاغذ مصری اس کاغذ کو پاپو کہتے تھے یہی لفظ یونان میں جا کر پیپیرس ہو گیا عبرانی میں اسے گومی ریشے کتاب کی جلد کہتے تھے عربی جدید میں بردی کہتے ہیں جملہ ممالک میں یہ مصری کاغذ جاری تھا جب بطلیموس دوسرے شاہ مصر نے اس کاغذ کا ممالک غیر میں جانا بند کر دیا تو ایشیا کوچک شہر پرگموس میں بجائے کاغذ کے چمڑے پر کتابت شروع ہوئی۔ انگریزی میں پارچمنٹ اسی پرگموس کی بگڑی ہوئی صورت ہے سنہ عیسوی سے ایک صدی قبل اس کا رواج ہو چکا تھا۔ اور مورخ ہیروڈوٹس (پانچسو برس قبل مسیح) نے چمڑے پر لکھی ہوئی کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ قرآن شریف بھی چمڑے پر لکھا گیا جس کی تصدیق لفظ رق سے ہوتی ہے تاکہ زیادہ حفاظت ہو سکے۔

کاغذ بنانے کا یہ قاعدہ تھا کہ اول درخت سے ایک موٹی شاخ کاٹتے تھے پھر تیز چاقو سے اسکے پرت (ورق) اتارتے تھے اور ان پرتوں کو تختہ پر رکھکر (اوپر نیچے) جماتے تھے۔ رطوبت جذب ہونے کے بعد ان ورقوں کا ایک بنڈل بنایا جاتا تھا۔ اور اس بنڈل کو دریائے نیل میں بار بار غوطہ دیتے تھے۔ جب اس نباتی کاغذ کے ریشے اور نرم ہو جاتے تھے تو کتاب کی طرح یہ کاغذ ایک شکنجہ میں کسا جاتا تھا خشک ہو جانے کے بعد ایک ایک ورق علیحدہ کر کے دھوپ میں سکھاتے تھے اور جب کافی طور پر یہ اوراق سوکھ جاتے اور نمی کا مطلق اثر باقی نہ رہتا اس وقت

موگریوں سے کوٹتے تھے۔ (جس طرح دیسی کاغذ کشمیر کالپی، متھرا وغیرہ میں بنتا ہے) اور
اور پوری کٹائی کے بعد ہاتھی دانت کی تختی اور بڑی بڑی کوڑیوں سے مہرہ کرتے تھے
جب اس طرح کاغذ خوب چکنا ہوجاتا تو دس یا بیس پچیس ورقوں کو جوڑ کر ایک
مکتوب بناتے تھے۔ (جسطرح قدیم مکاتب میں بچوں کی تعلیم کے لئے خطوط جوڑ کر مکتوب
بنائے جاتے تھے) اور بڑی کتاب یا طویل مضامین اس مکتوب پر لکھتے تھے۔ عربی تاریخوں
میں اس طویل تختہ کاغذ کا نام قرطاس تھا جس کا بعد میں ہر قسم کے کاغذ پر اطلاق
کیا گیا۔ حقیقت میں قرطاس کسی یونانی لفظ کا معرب ہے اور قدیم مصری قرطاس
کے نمونے عجائب خانہ مصر میں موجود ہیں۔

مسیح علیہ السلام سے پانچسو برس قبل تک قرطاس کا مصر۔ یونان اور روم میں
رواج تھا۔

پیپائرس کا درخت اب مصر میں نہیں ہوتا نوبہ (علاقہ سوڈان) میں البتہ پایا جاتا ہے
یونانیوں نے علاوہ قرطاس کے دباغت شدہ چمڑے پر لکھنا شروع کیا تھا۔ اس
چمڑہ کا رنگ خوش نما ہوتا تھا یہ نمونے بھی موجود ہیں۔

جب مصر میں رومیوں کی حکومت ہوئی تو انہوں نے مصری کاغذ کے کارخانوں
کو زیادہ وسعت دی۔

قدیم ہندوستان میں کتابوں کے لئے تاڑ کے پتے مستعمل تھے جو ایک گز طویل
اور ایک بالشت عریض ہوتے تھے پہلے اس پر روغن چڑھاتے تھے۔ پھر مہرہ کر کے چکنا
کرتے تھے اسکے بعد لکھتے تھے۔

سلہ مصر قدیم کی خفیہ تحریریں جو پانچ ہزار سال کی بتائی جاتی ہیں۔ یہ بادشاہ آسا، ہر ہوتمرہ پلیٹو اور
حکیم ارسطو کی کتابیں ہیں جو پیپارس کے بنے ہوئے کاغذ پر پائی گئی ہیں خیال ہے کہ یہ سب سے قدیم تحریریں ہیں
بک آف نالج۔ جلد ۹ صفحہ ۶۳۴

یہ طویل تختہ خطوط۔ اور عام مراسلت کے لیئے موزوں نہ تھا اس لیئے بھوج پتر
رتوز سے کام لیا گیا دونوں قسم کے نمونے موجود ہیں۔

بنارس میں ہم نے ایسی کتابیں (تاڑ کے پتوں پر لکھی ہوئی) دیکھی ہیں جس میں بجائے
دفتی کے لکڑی کا پٹھا لگا کر جلد بندی کی گئی ہے۔

ہندو راجاؤں کے قدیم فرامین بھی بھوج پتر پر ہنوز موجود ہیں۔

ہندوستان میں کاغذ بنانے کے دو بڑے مرکز تھے ایک کشمیر[1] دوسرا کالپی۔ یہاں
بہترین قسم کا دیسی کاغذ بنتا تھا اور یہی کہاتے آج تک بھی اسی قسم کے کاغذ پر
لکھے جاتے ہیں۔

مصر و ہند کے علاوہ چین کے شہر خان بالیغ (کنٹن) میں حضرت مسیح ع سے دو صدی
قبل روئی کا کاغذ تیار ہوتا تھا چنانچہ اہل سمرقند نے چینیوں سے یہ فن حاصل کیا
اور یہ بہترین کاغذ تھا بعض قرآن مجید اس کاغذ پر لکھے ہوئے موجود ہیں۔

قبائل حمیر (یمن) میں بھی اول مٹی کی تختیاں اور پتھر کی سلیں مستعمل تھیں۔ بعد میں
رومیوں کی تقلید میں چمڑے پر کتابت شروع ہوئی۔ پھر ہڈیوں پر لکھا۔ اور آخر میں

---

[1] قدیم زمانہ میں بھی بانس، سن، چیتھڑوں، وغیرہ سے کاغذ تیار کیا جاتا تھا آج بھی اسی قسم کی چیزوں مثلاً خاص قسم کی گھانس، گودڑ وغیرہ سے تیار کیا جاتا ہے اور ان اشیاء سے کاغذ کی صدہا قسمیں تیار کی جاتی ہیں رنگین بنانے کے لئے مختلف رنگوں کی آمیزش کی جاتی ہے ۵۲ چین میں پہلے بانسوں کی تختیوں اور ریشم کے ٹکڑوں پر لکھنے کا رواج تھا پہلی صدی عیسوی میں چینی سن چیتھڑوں اور مچھلی پکڑنے کے پرانے جالوں سے کاغذ تیار کیا کرتے تھے دو ہزار سال کی پرانی دستاویز چین کی دیوار اعظم کے کھنڈرات سے دستیاب ہوئی جو لکڑی کے تختوں اور ریشم کے ٹکڑوں پر لکھی ہوئی تھی۔ بکٹ آف نالج جلد ۹ صفحہ ۳۲۸ ہا ۵۳ ۷۵۱ء میں سمرقند کے عربی گورنر نے وسط ایشیا کے چینی کاغذ سازوں کو جو چینی افواج کے ہمراہ تھے گرفتار کیا اور عربوں نے فن کاغذ سازی ان سے سیکھا اسپین کے عربوں سے گیارہویں صدی عیسوی میں فن کاغذ سازی یورپ میں پہنچا تیرہویں صدی میں اٹلی والوں نے حاصل کیا اسی طرح چودہویں صدی میں اہل جرمن اور پندرہویں صدی میں انگلستان والوں نے حاصل کیا۔ یہ کاغذ عام طور پر چیتھڑوں سے تیار ہوتا تھا آجکل لکڑی (بانس) سن چیتھڑوں اور ایک خاص قسم کی گھانس سے کاغذ تیار کیا جاتا ہے ۱۸۷۰ء میں بارہ ہزار ٹن لکڑی کا غذ سازی پر خرچ ہوتی تھی اور اس ترقی
۴۴ کے دور میں پانچ ملین ٹن لکڑی کاغذ سازی پر صرف ہوتی ہے ۵۷ روغنی لکڑی کے تختوں پر موم لگا کر کسی سخت نوکیلی چیز سے حروف کندہ کرتے تھے

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام جلد ۲ صفحہ ۱۰۳

قرطاس جاری ہوا اور خلافت فاروقی میں مصر سے تمام عرب کے لئے کاغذ آتا تھا اور تمام کتابت کاغذ پر ہوتی تھی لیکن اس عہد تک کاغذ نہایت گراں تھا فضل برمکی نے عہد عباسیہ میں جب کاغذ سازی کے کارخانے بغداد شریف میں جاری کئے اسوقت سے کاغذ کی افراط ہوئی۔ دور حاضرہ میں کاغذ کی جس قدر ترقی ہوئی ہے وہ ظاہر ہے اور علوم وفنون کی اشاعت کا راز بھی یہی ہے۔

۲۔قلم کتابت کی ایجاد سے قبل قلم، عالم وجود میں آچکا تھا اور جب تک کتابت پتھروں اور سخت چیزوں (دھاتوں) پر ہوتی رہی بنشیوں نے آہنی قلم استعمال کئے لیکن جب کتابت کے لئے کاغذ تیار ہوگیا۔ تو قلم کے لئے مختلف ممالک میں سخت لکڑیوں (مثل بانس) پروں اور جانوروں کے باریک و نرم بالوں اور سرمہ کے قلم بنائے گئے مشرقی ممالک میں پانی کی کاہی خشک کر کے قلم تیار کئے جاتے تھے ان قلموں کا رواج مغربی ممالک میں تیرہویں صدی عیسوی تک رہا۔ اس کے بعد پروں کے قلم کا رواج اٹھارہ سو سال تک رہا۔ جانوروں کے سینگ اور کچھوے کے پشت کی ہڈی کے قلم بھی تیار کرنے کی کوشش کی گئی۔ نب دار لوہے کے قلم ۱۸۰۲ء میں جیمس بیز مانچسٹر کے باشندہ نے ایجاد کیا اور اس کے بعد سر جوشیا میسن نامی نے نب تیار کرنے کی مشین بنائی۔

ہندوستان میں نرسل (نرکل) (نے) سینٹھا۔ (ٹھٹیرہ) (سرکنڈہ) وغیرہ سے کام لیا گیا۔ اہل ایران نے بیادہ مشک اور واسطی (واسطہ عراق کا مشہور شہر ہے) قلم سے لکھا اور انصاف یہ ہے کہ واسطی قلم سے بہتر اس وقت خطاطی کے لئے دوسرا قلم نہیں ہے نجف اشرف میں بعض واسطی آج بھی ایک ایک اشرفی کے فروخت ہوتے ہیں اور ان کی سختی کا یہ ہے عالم ہے کہ ایک مرتبہ کا تراشہ برسوں چلتا ہے اور ایک قلم

سلہ بک آف نالج جلد ۳ صفحہ ۲۰۴

(باوجود روزانہ کتابت کے) خوشنویس کے واسطے پچیس[۲۵] یا تیس[۳۰] سال کے لئے کافی ہے۔ ایرانی قلم آہن سے بھی لکھتے تھے مگر اب واسطی قلم مروج ہے۔

ماہرین فن نے لکھا ہے کہ بہتر قلم وہ ہے جس کا رنگ بدرجہ غایت نہ سرخ ہو نہ بالکل سفید سفیدی کیساتھ زردی بھی نہ ہو اور سرخی میں بھی سیاہی کی آمیزش نہ ہو نہ خام ہو اور نہ جلا ہوا۔ اور تراشنے کے لئے اندر سے بالکل سفید ہو۔ اور رگیں قلم کی سیدھی ہوں ورنہ اس میں روانی نہ ہوگی۔ بہر حال پختگی یعنی سختی قلم کی لازمی شرط ہے۔

قلم کا طول زیادہ سے زیادہ بارہ[۱۲] یا سولہ[۱۶] انگل ہونا چاہئے اور موٹائی چھنگلی سے کم ہو سیاہ اور ہلکا قلم قابل استعمال نہیں ہوتا ہے قلم کا حسن یہ ہے کہ سرخ ناخنی اور سنگی ہو۔ قلم اگر سبک یا سست اور سیاہ ہو تو عیب میں داخل ہے

خطاطوں نے قلم کے حسن و قبح اور قلم تراشی پر حسب ذیل اظہار خیال کیا ہے

ھ

۱ قلم سرخ رنگ مے باید	نہ بہ سختی چو سنگ مے باید
نہ سیاہ نہ کوتہ و نہ دراز	یادگیر ای جواں زروی نیاز
۲ معتدل نہ سطبر نہ باریک	اندرونش سفید نے تاریک
نہ درو پیچ نہ درو تا بے	ملک خط راست نیک تا بے
۳ قط اول نکو نہ مے آید	دو لیش اگر نکو بود شاید
قط اوسط کنی خطا باشد	گر محرف[۱] کنی روا باشد

سلاطین مغلیہ فرامین وغیرہ پر سرمہ کے قلم[۲] سے (پنسل) صاد بناتے تھے اور

---

[۱] خط تعلیق محرف قلم سے لکھا جاتا ہے۔ کیونکہ تعلیق کا ہر دائرہ ترچھا ہوتا ہے۔

[۲] دہلی کے آخری بادشاہ بہادر شاہ کی اکثر تحریریں پنسل کی لکھی ہوئی موجود ہیں۔ [۳] پنسل کی ایجاد ۱۵۶۵ء میں ہوئی۔ بک آف نالج جلد ۳ صفحہ ۲۰۳۴۔

انتہائی نوازش کی صورت میں پورا پنجہ دست راست کا زعفران میں ڈبو کر فرامین پر ثبت کرتے تھے ایسے فرامین کی تعداد نہایت قلیل ہے[1]

یورپ میں کتابت ہنوز قلم آہنی (نب آہنی یا پنسل یا کسی اور دھات کا یا فونٹین پین (سیاہی بھرنے والے قلم) وغیرہ سے ہوتی ہے۔ اور یورپ کی تقلید میں ہندوستان میں خوشنویس بھی نب ہی استعمال کرتے ہیں۔

روشنائی یا مداد مرکب

روشنائی کے لئے شرط ہے کہ نہایت مجلی اور مصفّٰی ہو ورنہ بغیر چمک دمک کے حروف کی شان دوبالا نہ ہو گی روشنائی کے بنانے میں ایرانی بہت مشہور ہیں اور ان کے پاس بہترین نسخے ہیں عمدہ روشنائی ایک سال کی محنت میں تیار ہوتی ہے۔ نادر شاہ نے جب افغانستان فتح کیا ہے اس وقت وہاں ایک روشنائی ساز تھا۔ اس کو یہ خطرہ ہوا کہ نادر شاہی لوٹ میں کہیں میری روشنائی بھی غارت نہ ہو جائے۔ اس خیال سے پورا پیالہ روشنائی کا وہ پی گیا۔ وہ پیتے ہی حبشی نژاد (سیاہ فام) ہو گیا۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو روشنائی کے مفہوم کو بدرجہ اولیٰ ادا کرتی ہے بہر حال روشنائی کیلئے انتہائی سیاہی روانی اور پختگی شرط ہے۔ کئی ایسی قلمی کتابیں نظر سے گذری ہیں کہ جو پانی میں ڈوب گئی ہیں لیکن خشک ہونیکے بعد جب اوراق جدا کئے گئے ہیں تو حروف بدستور باقی تھے عموماً نامور خطاط خود روشنائی بناتے تھے اور وہ بازاری روشنائی استعمال نہ کرتے تھے۔

---

[1] مسٹر ای۔ بی۔ ہاول کی آگرہ گائیڈ (آگرہ اینڈ دی تاج) کے صفحہ ۵ پر ایک فرمان شاہ جہان کا ہے جس پر پنجہ کی مہر ثبت ہے اور ایک فرمان اورنگ زیب عالمگیر کا جو راجہ شور اپور ضلع گلبرگہ (دکن) کے نام ۱۰۶۸ھ / ۱۶۵۹ء کا ہے اس پر بھی زعفرانی پنجہ ہے۔ اور اس کا فوٹو کتاب فرامین سلاطین میں موجود ہے۔

میرے کتب خانہ میں بھی ایک قلمی نسخہ ملفوظات حضرت شیخ کلیم اللہ شاہ جہان آبادی کا موجود ہے۔ یہ پانی میں کافی دیر تک ڈوبا رہا مگر نکال کر خشک کرنے کے بعد بالکل اپنی اصلی حالت پر ہے نہ کاغذ خراب ہوا۔ اور نہ سیاہی میں کسی قسم کی خرابی پیدا ہوئی۔ پانی میں ڈوبنے کا اسکے متعلق ایک دلچسپ واقعہ ہے۔ میرے ایک عزیز اس کو پڑھنے کے لئے مجھ سے لے گئے اتفاقیہ اُن کے مکان میں آگ لگ گئی جو پانی کی مدد سے بجھائی گئی اسی سلسلہ میں یہ کتاب کم از کم ایک شبانہ روز پانی میں ڈوبی اور ملبے کے نیچے دبی ہوئی پڑی رہی جب جلا بُھنا سامان ملبے اور پانی میں سے نکالا گیا تو میری خوش قسمتی سے یہ کتاب بھی نکل آئی اس کے دو تین اوراق اور حاشیہ آگ نے جلا کر تباہ کر دیا مگر بقیہ تمام کتاب بالکل اپنی اصلی حالت میں موجود ہے میں نے بطور یادگار اس کو اسی حالت میں رکھا ہے۔

مولانا غلام محمد دہلوی نے اپنے تذکرہ میں جو نسخہ روشنائی بنانے کا لکھا ہے وہ درج کیا جاتا ہے یقین ہے کہ تجربہ سے اچھا ثابت ہو گا۔

نسخہ روشنائی درجہ اعلیٰ

اگر خواہی بشناسی سیاہی — بگویم با تو تحقیقش کماہی
سیاہی نزد ما نیکو تراں ست — کہ اندر دیدہ براق و رواں است
بداند ہر کہ اہل تمیز است — ز اجزائے سیاہی چار چیز است
نخستیں زاک (پھٹکڑی) و دیم دودہ پاک — ولے ہم سنگ (ہم وزن) باید دودہ (کاجل) با زاک (پھٹکڑی)
سوم جزو سیاہی ہست مازو — ولے مازو بود ہم سنگ ہر دو
بود جزو چہارم صمغ خوشرنگ (گوند کیکر) — ولے ہر جزو او را ساز ہم سنگ
سیاہی چون بہ پالودہ (چھٹائی کے بعد) رسانی — ز کرباس (موٹا کپڑا) لطیفش بگذرانی

اس نسخے میں اعلےٰ قسم کی پھٹکری کی شرط ہے لیکن وہ مفقود ہے پھٹکڑی چار قسم کی ہوتی ہے۔ اور بلحاظ اوصاف اطبا نے اس کے چار نام رکھے ہیں۔

۱۔ پھٹکڑی سرخ ——— زاک سوری

۲۔ پھٹکری سفید ——— زاک قلق دیس

۳۔ پھٹکری سبز ——— زاک قلقند

۴۔ پھٹکری زرد ——— زاک قلقطار

ان چاروں میں زرد پھٹکری سب سے بہتر ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

زاک سوری، سرخ باشد قلقدیس ، اسفید دان
سبز قلقند است و باشد زرد زاک قلقطار

روشنائی تیار کرنے کی ترکیب

اول مازو کو جو کوب کر کے دو چند پانی میں ایک رات بھگونا چاہئے پھر مازو کو پسی ہوئی پھٹکری میں ملا کر ایک لوہے کے برتن میں گرم کرنا چاہئے جب پانی آدھا جل جائے تو اس کو مقطر کر لیا جائے اور پھر اس پانی کو مزیح یا سنگ سماق یا لوہے اور پیتل کے ہاون میں خوب گھوٹے۔ پھر یہ پانی کا جل اور گوند میں ملا دیا جائے اور کامل ایک ہفتہ گھنٹے تک سب کو ملا کر پوری قوت سے گھوٹنا چاہئے۔ جیسا کہ شاعر کہتا ہے۔

ہم سنگ دودہ زاک است

ہم سنگ دودہ ۔ مازو

ہم سنگ ہر سہ صمغ است ۔

وانگاہ زور بازو

رنگا رنگ کی روشنایاں تیار کرنے کے بہت سے نسخے ہیں جن کو

اساتذہ تیار کر کے کام میں لاتے تھے

قدیم[۱] زمانہ میں اخروٹ اور لوہے کے اجزا کی آمیزش سے بھی روشنائی تیار کی جاتی تھی۔

آج کل یورپ اور دیگر ممالک کی بنی ہوئی مختلف رنگ کی روشنائیاں بکثرت استعمال ہوتی ہیں۔ اور یہ ہر ضرورت کیلئے جداگانہ تیار کی جاتی ہیں مثلاً کتابت مصوری اور طباعت کی سیاہی ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہوتی ہے اس کے علاوہ اور ضرورتوں مثلاً کپڑوں پر نشان لگانے انگوٹھے کے نشان حاصل کرنے مہریں لگانے وغیرہ وغیرہ کے لئے اقسام اقسام کی سیاہیاں تیار کی جاتی ہیں۔ اور آیندہ زمانہ کی ترقی کے ساتھ ساتھ روشنائیوں کی ایجاد میں اضافہ ہوتا رہیگا۔

---

[۱] بک آف نالج جلد ۴ صفحہ ۲۰۳

